دھند میں کھوئی روشنی
ناول
افسانہ خاتون

دھند میں کھوئی روشنی

—ناول—

افسانہ خاتون

ناشر

صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ—۴

Dhund Mein Khoi Roushni

by

Afsana Khatoon

Year of Edition : **2009**

نام کتاب	:	دھند میں کھوئی روشنی
صنف	:	ناول
ناول نگار	:	افسانہ خاتون
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۹ء
قیمت	:	دوسو روپے
کمپوزنگ	:	تنویر احمد
مطبع	:	اجالا آفسیٹ، بنگالی اکھاڑا، پٹنہ-۴

انتساب

اپنے ابا...... (مرحوم) جناب ڈاکٹر **محمد اقبال ملک**

اماں...... محترمہ **سلطانہ آراء**

بھائیوں...... **عارف، ثاقب، ذوالفقار**

اور

بے حد پیاری بہن...... **فرزانہ** (روحی) کے لئے

—●—

''مسٹر اینڈ مسز سنتوش کمار......!''

''ایکس کیوزمی...... مسز کا نام بھی...... یہ ہمارے ہوٹل کا......''۔

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے، لکھ لیجئے، شالینی...... شالینی کمار......''۔

سنتوش نے لاپرواہی سے لکھایا۔ شالینی کو ایسا لگا کہ اس نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا...... سبھی راستے بند......۔

اس نے کاؤنٹر پر رکھا ٹھنڈے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پی گئی۔

کشادہ سوٹ تھا۔ صاف ستھرا اور سجا سجایا، لیکن سنتوش کو اپنی عادت کے مطابق اس میں طرح طرح کے جھول نظر آئے۔ اس نے نیچے فون کر کے اسے پھر سے arrange کرنے کی ہدایت دی۔ فوراً ہی ہوٹل کے دو آدمی آ گئے اور انہوں نے مسہری، ڈریسنگ ٹیبل، صوفے اور دیوان کو سنتوش کی مرضی کے مطابق طے شدہ جگہوں پر رکھ دیا۔ شالینی بالکونی میں بیٹھی بے تعلق سی، رسالے الٹ پلٹ کرتی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ ہوٹلوں میں اپنی مرضی سے نہیں جیا جا سکتا۔ گھر جیسا آرام اور آزادی کہاں مل سکتے ہیں۔ لیکن سنتوش کا کہنا تھا کہ جب وہ لوگ پیسے لیتے ہیں تو پھر وہ اپنی مرضی نہیں تھوپ سکتے۔ وہ ہرگز ان کا بندھوا مزدور نہیں بن سکتا۔

سب سامان مناسب جگہوں پر، دروازے اور کھڑکیوں کے پردے، نئے بیڈ شیٹ...... ہوٹل کا سوٹ سنتوش کی مرضی اور پسند کا فلیٹ بن گیا۔ ہوٹل کے آدمی چلے گئے تو اس نے اپنے بریف کیس سے روم اسپرے کی ایک شیشی نکالی اور فراخ دلی سے کونے کونے میں اسپرے کرنے لگا۔ آخر میں اس نے اسپرے کا رخ شالینی کی طرف کر دیا اور اسے خوشبوؤں سے نہلا دیا۔ وہ نہیں...... نہیں کرتی رہی، گندے اور چور کپڑوں میں

خوشبوؤں کا اس طرح لٹنا اسے پسند نہیں آیا۔

''کیا فائدہ......؟ میں تو نہانے جا رہی ہوں......''۔

''پھر...... میں پھر باڈی اسپرے کر دوں گا......''۔

سنتوش کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔ پچھلے دس دنوں میں شالینی کو یہ چمک بہت کم دکھائی دی تھی لیکن جب بھی دکھائی دی تھی، زندگی کی نامعلوم حرارتیں اس نے اپنے اندر دوڑتی محسوس کی تھیں۔ شالینی کو سنتوش کے موڈ کا ابھی تک کچھ اندازہ نہیں ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس نے اپنے اندر...... بہت دور تک اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا۔ شالینی کو بہت بے چینی اور شدت سے اس لمحے کا انتظار تھا جب سنتوش اسے اپنے اندر لے جاتا یا پھر اپنے آپ کو اندر سے باہر نکال کر اس کے حوالہ کر دیتا۔

شالینی نے غسل کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اتنے میں سنتوش تولیہ لے کر غسل خانہ میں گھس گیا۔ یوں بھی وہ منٹوں میں فارغ ہو جاتا تھا جب کہ شالینی کو اس کے لئے بہت وقت چاہئے ہوتا۔ سنتوش باہر آ گیا تو وہ باتھ روم میں گئی اور جب باہر آئی تو سنتوش کپڑے، جوتے پہن کر بالکل تیار تھا۔ شالینی تولیہ لپیٹے ہوئے اس کے پاس جا کھڑی ہوئی اور شوخ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''بہت خوش دکھائی دے رہی ہو......؟''

سنتوش نے کیمرے کی گرد کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس خوش...... اور کچھ نہیں......؟''

شالینی کا لہجہ شوخی سے بھرپور تھا۔

''خوبصورت اور سیکسی بھی......''۔

اس نے کیمرے کو کھول کر دیکھا، فلم تھی۔

''تم بھی تو کچھ کم نہیں لگ رہے......''۔

''شکریہ...... شکریہ......''۔

اس نے کیمرہ اور دوربین اپنے گلے میں ڈالا اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔۔۔

''میں ذرا اس جگہ کو ٹھیک سے دیکھ لوں، پھر تمہیں لے چلوں گا......''۔

''ڈارلنگ، تم نے مجھ سے کچھ کہا تھا......؟''

شالینی نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''یاد نہیں...... اب تو سب کچھ پورا کرنے ہم آ ہی گئے ہیں، کمرہ ٹھیک سے بند رکھنا۔ ہم یہاں اجنبی ہیں......''۔

وہ چلا گیا۔ شالینی تولیہ باندھے کھڑی رہی۔ اس کے خوبصورت جسم پر پانی کی بوندیں موتیوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ سنتوش کے جانے کے بعد اس کی پیشانی پر بھی ننھے ننھے قطرے دکھائی دیئے۔ اجنبی نگاہوں کے لئے پہچاننا مشکل تھا کہ یہ قطرے پانی کے ہیں یا......۔

شالینی کو جلد ہی کچھ محسوس ہوا اور اس نے دروازہ بند کر کے تولئے کو ایک طرف اتار پھینکا اور پوری کی پوری آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

خوبصورت جسم...... ترشا ترشایا، سجا سجایا، بے حد متناسب اور ہر حصہ مناسب ترین جگہ پر اس قدر ہنرمندی سے لگا ہوا کہ ماہرین فن کو بھی رشک آ جائے۔ نشیب و فراز ایسے کہ ان کی بھول بھلیوں میں کھو جانا ہی خوش قسمتی کی معراج ٹھہرے، رنگ...... یہ رنگ ہی تو تھا جس نے ساری تباہی مچائی تھی، سانولا نہیں بلکہ گندمی کہ جب اس پر دھوپ کا سایہ پڑتا تو کندن چمک اٹھتا اور جب اس پر شبنم گرتی تو دیر تک اسے اڑنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ یہ رنگ ہی تو تھا جس نے اسے زمانے بھر میں رسوا کیا تھا اور زمانہ...... زمانہ اگر سمیر تھا تو وہ اسے دیکھ کر اپنی چال بھول جاتا۔

شالینی کو بے ساختہ سمیر کی یاد آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ڈورے سے دوڑ گئے۔ اس کے جسم سے ابھی ابھی الگ ہوا تولیہ اس کی خوشبو سے مدہوش مسہری پر بے سدھ پڑا تھا۔

آئینے میں اس کے جسم کی رعنائیاں ہی نہیں تھیں بلکہ بہت کچھ اور بھی تھا، پوری کی پوری وہی تھی۔ اس کی خوبصورت، چمکیلی اور معصوم آنکھیں جن پر سمیر درجنوں نظمیں لکھ چکا تھا۔ شالینی کہتی کہ وہ شاعر تو ہے پر اس کی دنیا بہت محدود ہے کہ اس کو تو اس کی آنکھوں ہی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ سمیر کا کہنا تھا کہ اسے اک ذرا اس کی آنکھوں سے فرصت تو مل جائے، وہ تو اس پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں بلکہ اس سے بھی زیادہ نظمیں لکھ دے گا۔

ناک...... بھائی، بہن اور دوسرے رشتہ دار اس کی ناک کا ہمیشہ مذاق اڑاتے، کوئی پھیلی ہوئی ناک کہتا، کوئی چپٹی، کوئی چینی، کوئی کوریائی...... وہ سمیر تھا جس نے اسے بتایا کہ اس کی ناک تو وہ چیز ہے جس کے آگے لاکھوں ناکیں کٹ سکتی ہیں۔ شالینی کو بھی اپنی ناک اچھی ہی لگتی اور سمیر کی باتوں کو وہ جھٹلاتی بھی کیسے......؟

گال...... سانولے، چکنے، شفاف گال، انسانی نگاہیں جن پر ٹھہر نہ سکیں، وہ جب اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی تو صبح کا تازہ تازہ سورج نکل آتا۔ سمیر نے چاند کو چھونے کی کئی بار کوشش کی، لیکن بھلا چاند کسی کے ہاتھوں میں آیا ہے کبھی......؟

ہونٹ...... سمیر کہتا تھا کہ جب وہ اس کی آنکھوں سے فرصت پالے گا تو اس کے ہونٹوں پر نظمیں لکھے گا۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں اس کی ساری زندگی کٹ جائے۔ تیکھے اور کٹیلے ہونٹ کہ جن کے دیکھنے سے آنکھوں میں چبھن سی ہوتی، سمیر کی نگاہیں جب ان پر ٹک جاتیں تو چاروں طرف گہرا سناٹا چھا جاتا، ہر چند ساکت و جامد...... بس اس کے ہونٹ اور سمیر کی نگاہیں......۔

صراحی دار گردن، خوبصورت، چمکیلے، بل کھاتے، لہراتے، گستاخ بال، پتلی، لیکن تندرست بل کھاتی ہوئی کمر، بے حد نمایاں نشیب و فراز......۔

اس نے خود یہ چیزیں سمیر کی نگاہوں سے دیکھی تھیں اور اب آئینے کے سامنے وہ سب کچھ بکھرا پڑا تھا۔ غسل کے بعد اسے کپڑے تبدیل کرنے تھے لیکن وہ پانی سے سرد اور

اندر کی بھاپ سے گرم جسم کو یونہی لئے کھڑی تھی۔ اس نے اسی حالت میں سنتوش کے بریف کیس کو کھولا اور اس کے سامان کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ پھر باڈی اسپرے نکال کر دیر تک اپنے جسم پر اس کی پھواریں مارتی رہی۔ سارا سوٹ خوشبو سے دمدما اٹھا۔ وہ کئی منٹوں تک یونہی مگن رہی۔ پھر اٹھ کر اس نے لباس تبدیل کیا، بال سنوارے اور ہلکا پھلکا میک اَپ کر کے کاؤنٹر پر فون کیا کہ اسے چائے بھیج دی جائے۔

سنتوش کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی، اب تک اسے آ جانا چاہئے تھا۔ وہ ایک محتاط آدمی تھا اور وقت کی پابندی اس کے مزاج کا خاصہ تھی۔ پھر یہ جگہ اس کے لئے اجنبی تھی۔

اسے کچھ کچھ تشویش ہونے لگی۔

''یہ جگہ تو میرے تصور سے بھی زیادہ حسین نکلی......''۔

سنتوش اگر یہ نہ بھی کہتا تو اس کے اندر کی خوشی سب کچھ کہے دے رہی تھی۔

''میں تو سمجھی، تم نے جنگل میں کوئی آشیانہ بنالیا......''۔

شالینی نے پہلے روٹھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سنتوش کی سرشاری کے سبب اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

''واہ، تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی، جی میں تو میرے واقعی یہی آیا......''۔

''تو پھر دیر کس بات کی...... تنکے چننے کا کام شروع کر دو......''۔

''دیر تو بس ایک بات کی ہے......''۔

سنتوش کے لہجے میں شرارت تھی جسے شالینی نے محسوس کیا لیکن انجان بنی رہی۔

''کس بات کی......؟''

''تم ساتھ دینے کو تیار ہو جاؤ......''۔

''میں......؟''

''ہاں......تم......!''

''سچ کہہ رہے ہو......؟''

''سو فی صد......''۔

''کہیں تم نے مجھ سے واقعی تنکے چنوانا شروع کر دیا تو......؟''

''میں بھی تو ساتھ رہوں گا......''۔

''تم......نا بابا، تمہارا کیا بھروسہ......''

''ایک مثال بھی تم نہیں دے سکتیں......''۔

''کہو تو مثالیں دے دوں......؟''

''اتنی دیر سے تم یہی سب کچھ سوچ رہی تھیں......؟''

''اب چھوڑو بھی......''۔

''آخر کہنا کیا چاہتی ہو تم......؟''

''تم نے مجھ سے کچھ وعدہ کیا تھا......؟''

''وعدہ......؟''

''تمہیں بس مجھ سے کیا ہوا وعدہ یاد نہیں رہتا......''۔

''اب جلدی سے کہہ بھی ڈالو بھائی......''۔

''کچھ باڈی اسپرے کی......''۔

''اُوہ......تم اس طرح کی باتوں کو بھی پکڑ لیتی ہو......؟''

سنتوش نے قہقہہ لگایا۔

''تمہارے لئے ہلکی ہو گی......میرے لئے تو تمہاری چھوٹی اور ہلکی بات بھی بہت بڑی ہوتی ہے......''۔

''شالینی ڈارلنگ......''۔ سنتوش نے شالینی کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے چاند میں سمیٹ لیا۔

''ہم میاں بیوی ہیں نا، عاشق معشوق تو نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو پکڑتے رہیں اور اپنی زندگی کو......ہم چوبیس گھنٹے ساتھ رہتے ہیں، اتنی دیر میں انسان موڈ کے کئی

shades سے گزرتا ہے، کئی قسم کے اتار چڑھاؤ......لیکن زندگی پر ان کا سایہ نہیں پڑنا چاہئے۔ زندگی موڈ کے سہارے نہیں چلتی، موڈ کو زندگی کے چنگل میں رہنا چاہئے......"۔

لیکن ہزار کوششوں کے باوجود شالینی اپنے اندر سے پھوٹنے والے اس چشمے پر قابو نہیں پا سکی جس کا پانی اس کی آنکھوں کے راستے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنتوش اتنی دیر میں غسل خانہ میں گھس چکا تھا اور جب تازہ دم ہو کر واپس آیا تو شالینی کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔

"چائے منگوا لیں......؟"

سنتوش نے بہت ملامیت سے پوچھا۔

شالینی نے بس سر ہلا دیا۔ اندر کا پانی شاید اب اس کے حلق میں پھنس رہا تھا۔

سنتوش نے گھنٹی بجائی۔ جب تک بیرا آیا اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

"باہر کیوں نہ چلیں......کھانا بھی باہر ہی کھا لیں گے......؟"

شالینی بے جان مورت کی طرح کھڑی ہو گئی۔

خوبصورت ریستوراں تھا، اندر کی فضا بہت خواب ناک تھی، میزوں کے نیچے دھیمی روشنیوں کا انتظام تھا، دیواروں کے اندر سے دھیمی دھیمی موسیقی ہلکی روشنیوں کے ساتھ نشر ہو رہی تھی۔ روم اسپرے کا استعمال فراخ دلی سے ہوا تھا۔ ریستوراں کیا تھا، ایک گوشۂ عافیت، اس میں ایک خاص قسم کی رومانی تنہائی تھی۔ انہوں نے اپنے لئے کونے کی ایک میز منتخب کی۔ زیادہ تر میزیں بھری ہوئی تھیں۔

"خوبصورت جگہ ہے......"۔

سنتوش کے منہ سے بیٹھتے ہوئے نکلا۔

"جنگل سے بھی زیادہ......؟"

شالینی اتنی دیر کے بعد مسکرائی۔

''اس کا کیا مقابلہ......اس کا تو حسن ہی کچھ اور ہے......''۔

''اور کیا کیا ہے......؟''

شالینی نے نیم تاریکی میں غور سے اسے دیکھا۔

''جہاں حسن ہو، خوبصورتی ہو، سکون ہو، وہاں کسی اور چیز کی کیا ضرورت......؟''

''سوچ لو......''۔

شالینی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تمہاری ضرورت بھی ہو گی......شاید......''۔

''کوئی مجبوری ہے تمہاری......؟''

''اب یہ تو اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے......''۔

سنتوش سنجیدہ ہو گیا۔

''تم شاید اس سکون کی تلاش میں نکلے ہو جس کے لئے مہاتما بدھ نے اپنا راج پاٹ چھوڑا تھا، اچانک تمہیں خیال آ گیا کہ تم ابھی ابھی بیاہ کر ایک عورت بھی لائے ہو، چنانچہ تم نے......''۔

''بہت اچھی باتیں کر لیتی ہو تم......تم کہانیاں لکھنا کیوں نہیں شروع کر دیتیں......؟''

سنتوش مسکرایا۔

''برداشت کر سکو گے میرا کہانیاں لکھنا......؟''

''کیوں نہیں......؟ تمہارے دل سے تمہارے قلم میں اتروں گا، پھر وہاں سے سفید کاغذ پر، وہاں سے......''۔

سنتوش بہت اچھے موڈ میں تھا۔

''سفید کاغذ پر تمہاری ایک تصویر بھی ابھرے گی......''۔

''تم پہلے میری تصویر اتارو تو......''۔

شالینی کچھ نہ بولی اور میز پر رکھی کھانوں کی فہرست دیکھنے لگی کیوں کہ ویٹر دیر سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔

شالینی کی آنکھیں کھلیں تو سنتوش تیار بیٹھا اپنی رائفل صاف کر رہا تھا۔

''صاحب بہادر کے ارادے کچھ اچھے دکھائی نہیں دیتے......؟''

شالینی نے لیٹے لیٹے کہا۔

''جو خود قتل ہو چکا ہو، وہ کیا کرے......؟''

سنتوش نے رائفل کی نالی پر ایک آنکھ جما کر جواب دیا۔

''اوہ......تو سرکار پر اس وقت شاعری کا بھوت سوار ہے۔ آج کے دن کا بھگوان مالک......یہ کوئی اچھی علامت نہیں......''۔

''اب تو دن کا جو بھی حشر ہو......صبح صبح کسی کے سامنے توبہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی حسینہ آجائے تو پھر اس دن قیامت کی آمد سے کون کا فرانکار کر سکتا ہے''۔

''لیکن دیکھنے والے کے ہاتھوں میں بندوق ہو تب......؟''

شالینی مسکرائی۔

''بھئی یہ تو مرد کی شان ہے۔ پہلے مرد کی وجاہت اس کے ہتھیار کے بانکپن سے ناپی جاتی تھی، اب اس کے کاکل و زلف سے ناپی جاتی ہے......''۔

''لیکن یہ شان سر پر چڑھ کے ناچنے لگے تو......؟''

''سر پر چڑھ کے ناچنا تو کسی چیز کا اچھا نہیں ہوتا، چاہے ہتھیار ہو یا عورت......''۔

شالینی نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ سنتوش کی قابلیت کے سامنے اکثر لاجواب ہو جاتی، البتہ کبھی کبھی اس کی قابلیت سے اسے وحشت بھی ہوتی۔

سنتوش نے رائفل کو کاندھوں سے لٹکایا، پیٹی گلے اور کمر کے درمیان پھنسائی، پی کیپ سر پر اور ربڑ کے اونچے جوتے پیروں میں، ہاتھوں میں ایک تھیلہ جس میں شکار کی ضرورت میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ یہ تھیلہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا۔

اس کی شرٹ کی اوپری جیب میں دو موٹے موٹے قلم لگے ہوئے تھے جو دراصل ٹارچ اور چاقو تھے۔

''ڈارلنگ، میں اس وقت ہر طرح سے لیس ہوں......''۔

شالینی چونک اٹھی، اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے کانوں میں سمیر کہہ رہا تھا—

''شالینی میری طرف دیکھو، اس وقت میں ہر طرح سے لیس ہوں......''۔

لیکن یہ جملہ تو سنتوش کے منہ سے ادا ہوا تھا۔

وہ اٹھ بیٹھی۔ نیند تو پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی، اس نے سنتوش کو سر سے پیر تک دیکھا، پھر انجان بنتی ہوئی بولی—

''لیس......؟ مطلب......؟''

''یوں کہ......لو، میں اوپر سے شروع کرتا ہوں، یہ رہی پی کیپ جو مجھے دھوپ سے بچائے گی، یہ رہے چاقو اور ٹارچ اور یہ بندوق، یہ کارتوس کی پیٹی، یہ تھیلہ......''۔

''دیکھو اوپری جیب میں تمہارا خط جو دھڑکتے ہوئے دل کے انگارے پر پھول کی طرح رکھا ہے، پینٹ کی جیب میں تمہاری خوشبو اور تمہارے پسینے سے بسا ہوا رومال، انگلی میں تم سے مس کی ہوئی انگوٹھی، بیک پاکٹ میں بیگ میں چھپی ہوئی تمہاری چھوٹی سی تصویر اور آنکھوں میں بسی ہوئی تم......میں اس وقت سر سے پیر تک بالکل لیس ہوں جان......''۔

اس کمرے میں سمیر تھا......؟

سمیر یہاں کہاں......؟

اس کمرے کے دروازے تو صرف سنتوش کے لئے کھلتے اور بند ہوتے، لیکن دل

کے دروازے......؟

سمیر اپنی عادت کے مطابق جب چاہتا چلا آتا......روکنے میں وہ کبھی کبھی کامیاب ہوجاتی لیکن منع کرنا...... یہ اس کے بس کی بات نہ تب تھی، نہ اب......۔

اس وقت اس کے سامنے سنتوش کھڑا تھا، پھر سمیر کہاں سے آٹپکا؟ کچھ جملے ایسے تھے جن کے جملہ حقوق بحق سمیر محفوظ تھے۔اس پر خوب جچتے بھی تھے، پھر یہ سنتوش......؟

سنتوش شالینی کے اندر کی دنیا کے اتھل پتھل سے بالکل بے پرواشکار میں مگن گنگناتا رہا۔

''کیا تم نے مجھے اسی لئے لایا تھا کہ خود تو شکار......''۔

اچانک وہ بپھر گئی۔

''دھیرج......شانتی......تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہاں کا پروگرام کیوں بنایا گیا تھا۔اب تم اس شوق میں میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو میں کیا کروں......؟''

''لیکن ہم تو یہاں......شکار کا شوق تو کبھی بھی پورا کیا جا سکتا ہے......ہنی مون کا وقت تو پھر نہیں آئے گا نا......؟''

شالینی تیز لہجے میں بولی۔

سنتوش زور سے ہنسا اور اپنی رائفل پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا—

''ارے بھائی ہنی مون کوئی مٹھائی تو ہے نہیں جسے ہم جلدی جلدی کھالیں کہ دیر ہونے سے کہیں یہ خراب نہ ہوجائے......ہنی مون تو خوشیاں حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے اور خوشیاں حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں......''۔

''میرا خیال ہے کہ شادی کے فوراً بعد ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا نام ہنی مون ہے......میں ہوٹل کے کمرے میں بند رہوں اور تم جنگلوں کی خاک چھانتے رہو......''۔

''شالینی ڈیر......تم نے اپنے آپ کو جس خول میں بند کر رکھا ہے، اس سے باہر

نکلو اور......''۔

''تمہارا خیال ہے کہ بندوق، گولی اور شکار میں، میں تمہارا ساتھ دوں، لیکن عورتوں کے یہ سب شوق نہیں ہوتے......''۔

شالینی کا لہجہ تیکھا تھا۔ سنتوش پھر ہنسا۔

''عورتوں کے شوق...... پڑھی لکھی عورت کے منہ سے عورت کے شوق اور مرد کے شوق...... خیر، اس وقت تم سے اس موضوع پر بات نہیں کر سکتا...... ہم ایسا کریں کہ ایک خوشگوار ماحول میں ناشتہ کریں......؟''

شالینی چپ چاپ اٹھ کر غسل خانہ چلی گئی۔ پانی کے چھینٹے چہرے پر مار کر آئی تو شکل قدرے بشاش تھی۔ اس نے بے معنی نگاہوں سے سنتوش کو دیکھا، وہ اتنا مضبوط تھا کہ جب چاہتا اپنی خواہش کے مطابق اپنا موڈ بنا لیتا۔

''میں نے ناشتے کا آرڈر دے دیا ہے......''۔

اس نے شالینی کو اطلاع دی۔

شالینی صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ سنتوش کی عادت سے واقف تھی کہ وہ ان معاملات میں اس کی مرضی کی پروا نہیں کرتا۔

''......تو بھائی یہ رہی کھانوں کی فہرست، جو پسند کر لو......''۔

''میں تو صرف پکوڑے اور چپس لوں گی، تم......؟''

''جو تمہیں پسند، وہی ہمیں پسند......''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے...... ہر شخص کی اپنی پسند ہوتی ہے، خاص طور پر کھانے پینے کے معاملے میں......''۔

''میں نے اپنی ساری پسند تمہارے پاس رہن کر دی ہے......''۔

''کیسے مان لیا جائے......؟''

''امتحان شرط ہے......''۔

''اچھا تو یہ بات اُدھار رہی......''۔

''لیکن میں تو نقد کا قائل ہوں، کل کرے سو آج کر، آج کرے سو اب......''۔

''زندگی تو بہت لمبی ہے نا......؟''

''اس لمبی زندگی کی بنیاد میں آج ہی ڈال دینا چاہتا ہوں......''۔

''سمیر، تم خواہ مخواہ مجھے آسمانوں کی سیر کرا رہے ہو......''۔

''میں اپنا آشیانہ وہیں بنانا چاہتا ہوں......''۔

''تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے، ہم اگلے جنم ہی میں مل سکیں گے......''۔

''درجن بھر جنم لینا پڑے تو بھی شاید کم پڑ جائے......''۔

''تم باتیں بہت خوبصورت کرتے ہو......''۔

''تمہارا ساتھ ہو تو گونگا، بہرا نہ صرف بولنے لگے بلکہ شاعری کرنے لگے......''۔

''......کہاں کھو گئیں میڈم، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے......''۔

وہ چونک اٹھی، اسے جیسے کھینچ کے کسی نے واپس لایا، میز پر سیخ کباب، تندوری روٹی، کلیجی اور فرائی فش رکھی تھیں۔

سنتوش کی پسند کے کھانے۔

وہ بے دلی سے کھانے لگی۔

آنکھیں کھلتے ہی سنتوش پر نگاہیں پڑیں جو صوفے پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

''بڑے بدذوق ہو ڈارلنگ! اپنی صبح اخبار جیسی بور چیز سے شروع کرتے ہو......''۔

شالینی بستر پر کسمساتی ہوئی بولی۔ سنتوش نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر

جواب دیا—

""خیر تو ہے...... حضور کے ارادے تو نیک ہیں......؟""

""رکھنا ہی پڑتا ہے...... تمہیں اتنی فرصت کہاں......؟""

""اچھا تو ایک کام کرو، فٹافٹ تیار ہو جاؤ، آج ہم ساتھ نکلیں گے......""۔

""اُونہہ...... جس دن سورج پچھّم سے نکلے، اس دن کوئی کام نہیں کرنا چاہئے""۔

""تو پھر آپ بستر میں تشریف رکھئے، بندہ تو چلا......""۔

""ہم تو آپ کو بھی نہ جانے دیں گے......""۔

""کیوں......؟ میرے لئے تو دن مبارک ہے، صبح صبح آپ کے چہرے پر نگاہ پڑی ہے......""۔

""جھوٹ...... سب سے پہلے آپ نے شیو کیا ہوگا اور آئینہ میں اپنا چہرہ......""۔

""اجی...... اپنے آپ کو نہ دیکھا، آپ کو دیکھا......""۔

""آہستہ آہستہ راستے پر آرہے ہو......""۔

""آدمی کو بگڑتے دیر ہی کتنی لگتی ہے......""۔

""اچھا میرے بگڑے سیاں، ذرا میری کمر تو دبا دینا، بہت درد ہو رہا ہے......""۔

""یعنی خدمت لینے کا بہانہ......؟""

""روز تو تمہاری خدمت میں جٹی رہتی ہوں، ایک دن تم بھی سہی......""۔

سنتوش نہ جانے کس موڈ میں تھا کہ اس نے اخبار تہہ کر کے رکھ دیا اور بستر پر آ بیٹھا۔ شالینی اُوندھے منہ لیٹی تھی، سنتوش نے اس کی کمر کو دبانا شروع کر دیا۔

شالینی کی کمر بہت خوبصورت اور دل کش تھی، نرم و نازک اور سڈول، قدرے لمبی...... کولہے تک آتے آتے جو ڈھلان بنتی وہ بہت جان لیوا تھی۔ ہلنے میں کولہے میں جو ہلکی سی تھرکن ہوتی، اس سے دیکھنے والے اور چاہنے والے کے ہوش اڑ جاتے۔

اس وقت اس کی ساری کی ساری کمر سنتوش کے بالکل سامنے تھی اور وہ بھی دن

کے اجالے میں۔

شالینی کا بے ترتیب لباس......

جگہ جگہ سے عریاں اس کا گندمی، پر شباب جسم......

یہ جسم بارہا سنتوش کی آغوش میں آ چکا تھا، اس جسم نے اس کی راتیں حسین اور خوابناک بنادی تھیں، لیکن دن کی روشنی میں اس جسم کو اس قدر قریب سے دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا تھا۔

اس کے ہاتھ لرزنے لگے، وہ کمر تک محدود نہیں رہے۔ شالینی چپ چاپ لیٹی اس کے اضطراب سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ اچانک وہ اٹھا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔ شالینی نے لوہا گرم دیکھ کے ایک ضرب لگائی۔

''ایک کام تو میرا تم کر نہیں سکتے، ذرا کمر دبانے کو کہا تو پتہ نہیں کیا کرنے لگے......''۔

''کیوں بھائی...... کیا میں صرف کمر ہی دبا سکتا ہوں اور کچھ نہیں......؟''

''قسم سے درد تو پورے بدن میں ہے، اب تمہیں کیا کہوں، تم کمر ہی دبانے پر اتنی مشکل سے آمادہ ہوئے ہو......''۔

''اجازت ہو تو......؟''

''درد سے بھرا ہوا جسم تمہارے سامنے ہے...... تمہارا منتظر......''۔

شالینی کی آواز میں کوئی جادو تھا، کوئی دعوت تھی کہ سنتوش سب کچھ بھول گیا۔ اس کا دن بھر کا پروگرام اس سے الگ ہو کر ایک طرف کو سسکتا رہا۔

بستر تھا......

سکون......

شالینی......

اور وہ......

وقت دبے پاؤں گزرنے کی کوشش کرتا رہا۔

کسی کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اس نے کتنے قدم لئے۔

دونوں جب اپنے انجانے سفر سے واپس آئے تو سفر کی کامیابی کی رونق دونوں کے چہروں پر نور برسا رہی تھی۔ سنتوش تو فوراً سو گیا لیکن شالینی کو نیند خوابوں کی اس وادی میں لے گئی جہاں سے اس کی وہ سرحد بہت قریب تھی......۔

سمیر اس کے جسم کا دیوانہ تھا، ایک ایک حصے کو یوں غور سے دیکھتا جیسے انمول جواہرات کا معائنہ کر رہا ہو، یوں چھوتا جیسے ہیرے پنے کو چھو رہا ہو، یوں سونگھتا جیسے یہ خوشبو اب کبھی سونگھنے کو نہ ملے گی۔

''دیوانے ہو گئے ہو بالکل......کون سی ایسی بات ہے بھلا......؟''

وہ زچ ہو کر کہتی۔

''کاش، میں اپنی آنکھیں تمہاری آنکھوں کی جگہ لگا دیتا اور پھر تمہیں دکھاتا کہ......''۔

''یہ سب تمہارا دیوانہ پن ہے، ورنہ مجھے تو کوئی بھی حسین نہیں کہتا......''۔

''بے شک......تم کوئی عام حسین تھوڑی ہو......''۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں...... آخر تمہاری ہی بات سچ کیوں ہو، اوروں کی کیوں نہیں......؟''

''اس لئے کہ اور لوگوں کے پاس وہ نگاہیں ہیں ہی نہیں...... ان کے پاس جو پیمانے ہیں وہ بہت ہی عام قسم کے ہیں...... میرا بس چلے تو میں تمہارے حسن ہی کو معیار بنا ڈالوں......''۔

''یہ سب باتیں رومانی ناولوں میں اچھی لگتی ہیں مائی ڈیئر...... یہ باتیں ماننے کی نہیں ہوتیں......''۔

''اچھا ایک بات بتاؤ جان...... حسن کی تعریف کیا ہونی چاہئے......؟''

سمیر کا خاص انداز تھا ''جان''...... جو شالینی کو دل و جان سے پسند تھا۔

اس کا دل چاہتا کہ جب بھی سمیر اس کے پاس آئے تو کوئی بات نہ کرے، بس جان

کہتا رہے...... جان...... جان...... جان......۔

''دنیا کی نگاہیں جسے حسین تسلیم کرلیں......''۔

''واہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، سارا الزام دنیا کے سر دھر کے آپ بالکل بری ہو گئیں۔ یہ تو بھائی ایک عام رویہ ہوگیا کہ جو سب کہیں، وہی میں کہوں......''۔

''اچھا تو آپ ہی بتادو، مجھے تو نہیں آتا''۔

''حسین وہ چیز ہے جس کی طرف آپ کا دل خود بخود کھنچا چلا جائے، نگاہیں اس پر سے ہٹنے کا نام نہ لیں اور......''۔

''یہ تو ایک ذاتی پسند ہوئی، عام پسند تو نہ ہوئی......''۔

''پسند ہمیشہ ذاتی ہوسکتی ہے، عام نہیں......''۔

''لیکن حسن کی تعریف......''۔

شالینی اس مسئلے پر سنتوش کی رائے جاننا چاہتی تھی، سنتوش اپنے اظہار میں جس قدر محتاط تھا، شالینی اسی قدر اسے کھولنا چاہتی تھی۔ لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ اس سلسلے میں اس کے دل میں ایک پھانس سی تھی۔

وہ بہت حسین تو نہیں تھی البتہ جاذب نظر اور پرکشش ضرور تھی۔ سانولا سلونا رنگ، متناسب چھریرا بدن، بڑی بڑی روشن آنکھیں، خوبصورت موتیوں جیسے دانت، لانبے بال اور آواز میں ایک خاص قسم کی کھنک......۔

اس کے حسن اخلاق کی تعریف تو بہت ہوتی لیکن حسن کی زیادہ کھل کر تعریف نہیں ہوتی۔ یوں بھی سانولے رنگ کو پسند کرنے والے کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں، البتہ سمیر نے اس کے حسن کے اتنے قصیدے پڑھے تھے کہ اسے بھی کچھ کچھ گمان ہونے لگا تھا۔

''عورت کے حسن کو کسی اور چیز سے ملانا بالکل غلط ہے۔ مثلاً پھول بہت حسین ہوتے ہیں، ان کا گلدستہ خوبصورت ہوتا ہے لیکن ان میں دل کو اپنی مٹھی میں کس لینے والی کوئی بات نہیں ہوتی، لیکن عورت کا حسن...... حسین عورت کی طرف دل خواہ مخواہ کھنچا جاتا

ہے...... یہاں تک کہ اپنے قابو میں بھی نہیں رہتا، ایک طاقت سی ہوتی ہے اس میں......"۔

"لیکن یہ بات بھی تو بالکل وہیں پر آ گئی...... یعنی ذاتی مرکز پر......"۔

"تم اسے مانتی ہو نا کہ اس دھرتی پر کروڑوں، اربوں انسان رہتے ہیں......"۔

"لو...... تم تو مجھے شاید بالکل بچہ ہی سمجھ رہے ہو یا پھر بے وقوف......"۔

"نہیں...... نہیں...... ایسی بات نہیں، اس بات کا تعلق آگے ایک اہم بات سے ہے"۔

"تو پھر بولتے رہو، میں سن رہی ہوں......"۔

"تقریباً سبھی انسان رنگ، نسل، ذات وغیرہ وغیرہ میں بٹے ہوتے ہیں، ان کی شکلیں آپس میں کیوں نہیں ملتیں...... وہی کان، وہی ناک، آنکھیں، دانت، زبان، ہونٹ وغیرہ وغیرہ، سب کچھ تو وہی ہوتے ہیں، پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ کیوں نہیں ہوتے......؟"

"یہ کمال تو بنانے والے کا ہے......"۔

"جب یہ کمال ہے تو پھر اس سے یہ غلطی کیوں کر سرزد ہوتی کہ وہ سب کی پسند بھی ایک کر دیتا......"۔

"پھر وہی بات...... اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ سمیر کہ میرے اندر تمہیں کون سی کشش نظر آتی ہے، میں تمہاری پسند پر ایمان لاتی ہوں......"۔

"ایک ہو تو بتاؤں، تمہاری آنکھیں، تمہارے گال، ہونٹ، چال، آواز اور سب سے بڑھ کر تمہارا ساتھ، تمہاری کمپنی جس سے میں کبھی بور نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے کہ گھنٹے منٹوں میں، منٹ سیکنڈ میں اور سیکنڈ کو پر لگ گئے ہیں، تمہارے پاس سے جب بھی اٹھتا ہوں تو اپنے دل پر پتھر رکھ کر، بہت مجبوری کی حالت میں اور اس کا ہمیشہ افسوس ہوتا ہے کہ وقت اتنا جلدی کیوں کر گزر گیا۔ تمہاری کمپنی سے زیادہ دنیا کی کوئی دوسری کمپنی مجھے محبوب نہیں، میں تو لوگوں سے جلدی بور ہو جاتا ہوں، یار باشی کر نہیں سکتا، ایک یار کے سوا......"۔

شالینی جیسے آنکھیں موندے سن رہی تھی، سمیر یقیناً اس کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا، خود اس کا جی کب چاہتا تھا سمیر کے پاس سے اٹھنے کو، مجبوریاں تھیں جو انہیں علیحدہ کرتی تھیں، سمیر کی صحبت اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔

سمیر خاموش تھا لیکن دونوں کی نگاہیں بول رہی تھیں، دل دھڑک رہے تھے اور وقت دبے پاؤں ان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ شالینی خود سپردگی کے جذبے میں جکڑی ہوتی اور سمیر کا چہرہ سرخ ہو جاتا لیکن دونوں اپنی اپنی حدوں کے اندر ہی سب کچھ تھے، باہر نہیں۔

سمیر کے ساتھ اس کا وقت کیسے گزر جاتا، اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ ادب، سیاست، سماج، فلم وغیرہ وغیرہ، دونوں کی پسند بھی بہت حد تک ملتی جلتی تھی۔ وقت کو وہ خاطر میں نہیں لاتے لیکن وہ وقت ہی کیا جو اپنے وجود کا احساس نہ دلا دے۔ آخر سمیر کے جانے کا وقت ہو ہی جاتا، وہ شالینی کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسا دیتا...... شاید اس طرح وہ وصال کی منزل کے آس پاس پہنچ جاتے...... سمیر نے اپنی جو حد مقرر کی تھی، اس سے آگے جانے کی کبھی کوشش نہیں کرتا تھا۔ شالینی کے دل میں البتہ چھپا ہوا کوئی چور اسے اکساتا کہ سمیر کبھی انگلیوں سے آگے بھی بڑھے...... اس کی پیشانی، آنکھیں، گال، ہونٹ اور گردن اور کان کی لویں تمتما اٹھتیں، کبھی کبھی سمیر اس کے ہونٹوں کو چھو دیتا تو وہ سبھی حدوں کو پھاند کر کے آسمانوں میں اڑنے لگتا لیکن جلد ہی اسے زمین پر آ جانے پر مجبور ہو جانا پڑتا۔

''اس سے تمہیں کیا ملتا ہے سمیر...... ان انگلیوں سے......؟''

''زندگی...... جس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا......''۔

''تم تو پہلے بھی...... میرا مطلب ہے تم تو ہمیشہ سے زندہ ہو......''۔

''زندہ ہونے کا مطلب...... زندگی تو کچھ اور ہی چیز ہوتی ہے شالینی......''۔

''کون سی چیز......؟''

''تم...... تم اور صرف تم......!''

''اوہ...... سمیر تم مجھے کہیں کا نہ رہنے دو گے......''۔

...... سمیر کے جانے کے بعد وہ تشنگی اور کسک میں کچھ زیادہ ہی مبتلا ہو جاتی، راتوں کی نیند، دن کا چین سب حرام ہو جاتے اور اس وقت تک حرام رہتے جب تک......۔

وہ آنکھیں بند کرتی تو سمیر اس کے سامنے ہنستا کھیلتا آ کھڑا ہوتا، جاندار اور زندگی کی حرارتوں سے بھرپور......۔

وہ اس کے ہاتھوں کو چومتا (سمیر کو اس کے ہاتھ بہت پسند تھے)، اس کی پیشانی کو چومتا، اس کے چمکدار بالوں کو، جن کے بارے میں سمیر کا کہنا تھا کہ یہ نہ ہوتے تو دنیا میں گھٹا کا وجود نہ ہوتا، اس کی گردن کو، جس کی صراحی سے اس کو دوام بخشنے والی شراب عطا ہوتی، اس کی آنکھوں کو، جن کی چمک سے اس کی زندگی کے تاریک گوشے روشن ہو جاتے اور جن کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانا اس کی زندگی کا مقصد ہوتا۔

اس کے ہونٹ...... گلاب کی نازک پنکھڑیاں......

اس کی کمر کے وہ زاویے...... جن کے اتار چڑھاؤ پر سینکڑوں نظمیں لکھی جا سکتی تھیں۔

اور پھر......

کچھ نہ ہوتا، بس وہ اور سمیر...... سمیر اور وہ......۔

جب کافی دیر کے بعد وہ ہوش میں آتی اور اس کے جسم کے مساموں سے جو پسینے نکلتے ان میں صاف طور پر سمیر کی خوشبو شامل ہوتی اور پھر وہ...... اس کی آنکھیں پھر بند ہونے لگتیں۔

سمیر، اس کے بھائی کا دوست تھا، تعلیم حاصل کرنے کے بعد بے کار تھا۔ دو چار ٹیوشن اور الٹی سیدھی شاعری اس کی مصروفیت تھی۔ ٹیوشن سے اس کا پیٹ بھرتا اور شاعری

سے آسودگی۔ شالینی نے پرائیویٹ طور پر بی اے کرنے کے لئے فارم بھرا تھا۔ سمیر گھر کا لڑکا تھا، پھر پڑھنے پڑھانے کا اس کا سلسلہ بھی تھا، وہ تیار تو ہوا لیکن پیسے لینے سے اس نے صاف انکار کردیا۔ بہت کوشش کی گئی، بہت سمجھایا گیا لیکن وہ کسی قیمت پر راضی نہ ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس گھر کا ایک فرد سمجھتا ہے اس لئے وہ ان سے پیسے ویسے کی بات کر ہی نہیں سکتا۔ شالینی کے والدین تو تیار نہیں ہو رہے تھے لیکن شالینی کے بھائی کمار نے انہیں سمجھایا۔

''کوئی مضائقہ نہیں، اس کی اپنائیت برقرار رہے، ہم دوسرے طریقے سے اس کی کمی پوری کردیں گے......''۔

شالینی کی پڑھائی شروع ہوگئی۔ سمیر نے اس قدر محنت کی کہ شالینی فرسٹ کلاس لے آئی۔ اس کے ریزلٹ کی دھوم مچ گئی۔ لیکن یہ بات صرف شالینی جانتی تھی کہ اس کی کامیابی کا اصل سہرا کس کے سر ہے۔ شالینی کو اس وقت تک اس کا پتہ نہیں تھا کہ اس پورے عمل میں خود سمیر زندگی کے ایک مشکل امتحان میں پھنس چکا ہے۔

اس روز گھر میں اتفاق سے کوئی نہیں تھا۔ سمیر چونکہ شالینی کے ریزلٹ کے وقت شہر میں موجود نہیں تھا اس لئے وہ مٹھائی کا ڈبہ لئے آ پہنچا۔

''واہ مٹھائی تو ہمیں آپ کو کھلانی ہے، ساری محنت آپ ہی کی تو ہے''۔

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اپنی خوشی کے لئے محنت کی اس لئے زبان سے یہ بات نہ نکالنا، جو خوشی مجھے ہوئی ہے وہ شاید کسی کو نہیں ہوئی ہوگی''۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں......''۔

''چاچا، چاچی......؟''

سمیر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ایک شادی میں گئے ہوئے ہیں......شام تک آجائیں گے......''۔

''اور کمار......؟''

''کلکتہ سے انٹرویولیٹر آیا تھا، چلے گئے......''۔

''یعنی تم بالکل......؟''

''بوڑھی مامی جی ہیں اور پھر آپ ہیں......''۔

شالینی کے انداز میں کسی حد تک شوخی تھی۔ سمیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کافی دیر ہوگئی، شالینی نے برف توڑنے کی کوشش کی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی......؟ آخر اس طرح خاموش......؟''

''نہیں نہیں، ٹھیک ہوں، کچھ سوچ رہا ہوں......''۔

''کچھ میں بھی شیئر کروں......؟''

شالینی نے پھر شوخی سے دریافت کیا۔ جواب میں پھر بے معنی خاموشی......

''ایسی ہی کوئی بات ہے شاید جو آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے......''۔

''ایسی بات نہیں...... دراصل جو کچھ میں سوچ رہا ہوں، وہ تمہارے ہی متعلق ہے......''۔

''میرے متعلق...... تب تو مجھے ضرور بتا دیجئے، بلکہ اب تو جاننا میرا حق ہے......''۔

''شالینی...... بات یہ ہے کہ اب تو تم نے بی اے کرلیا، اب میرا یہاں آنا جانا ختم، چاچا جی کہہ رہے تھے......''۔

شالینی نے ایک قہقہہ لگایا۔ پھر قابو پا کر بولی —

''لیکن آپ تو پہلے بھی یہاں آتے جاتے رہے ہیں......؟''

''تب اور اب میں بہت فرق ہے۔ میں آؤں گا لیکن صرف کمار کے دوست کی حیثیت سے اور ضروری نہیں کہ تم ہر بار مجھ سے ملو ہی......''۔

شالینی چونک اٹھی۔ سمیر کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جو......۔

سمیر کو اس نے اتنا سنجیدہ شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''کیوں نہیں ملوں گی......؟ آپ میرے گرو بھی تو ہیں، بھلا آپ سے نہیں ملوں گی

تو مجھے اچھا لگے گا کیا......؟''

''یہ تمہاری اپنی سوچ ہے اور چونکہ تم ایک نیک دل لڑکی ہو اس لئے ورنہ......''۔

شالینی کی کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ سمیر کیا کہنا چاہتا ہے، اس کے اندر کون سی چبھن ہے، وہ بے حد خلوص کے ساتھ اس پھانس کو نکالنا چاہتی تھی۔

''اچھا تو آپ ہی بتایئے میں کیا کروں......؟''

''میں کیا بتاؤں......میرے ساتھ تو یہ کھیل بہت دنوں سے ہو رہا ہے کہ خوشیاں دور سے دکھا کر مجھ سے چھین لی جاتی ہیں اور میں خاموش دیکھتا رہ جاتا ہوں......''۔

''آپ کچھ بتایئے تو سہی......''۔

''کیا تم آگے پڑھائی کے لئے انہیں راضی کر سکو گی......؟''

''یہ تو میرے آتما کی پکار ہے لیکن پتا جی لڑکیوں کو زیادہ تعلیم دلانے کے سخت مخالف ہیں۔ انہوں نے مجھے اتنا پڑھا دیا تو صرف بھیا کی مہربانی سے، ویسے میں کوشش ضرور کروں گی......''۔

''یہ تمہارا مجھ پر ایک احسان ہوگا شالینی......''۔

شالینی بے ساختہ ہنس پڑی۔

''احسان......؟ یعنی پڑھوں میں اور......''۔

''تم نہیں سمجھو گی، اگر سمجھ لیتی تو یوں بے دردی سے نہ ہنستیں......''۔

اس کی بے پناہ سنجیدگی پر شالینی کو چپ ہی رہنا پڑا۔

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

لالہ امرناتھ یوں ایک جہاں دیدہ آدمی تھے لیکن لڑکیوں کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں ان کے اپنے خیالات تھے۔ انہوں نے شالینی کو سمجھایا۔

''ہمارے سماج میں لڑکی کا گریجویٹ ہو جانا ہی بہت ہے بیٹی، آگے پڑھنے کی خواہش تم بعد میں پوری کر لینا''۔

''ایک بار پڑھائی چھوٹ جانے پر بہت مشکل ہوگی پتا جی، اس کا tempo ختم ہو جاتا ہے اور پھر اتنی facility ملے نہ ملے......''۔

''میری تو خود بہت خواہش ہے کہ...... لیکن کیا کروں، مجبوری پیر پکڑ لیتی ہے......''۔

''آخر آپ اپنے آپ کو اس قدر مجبور کیوں سمجھتے ہیں پتا جی...... اگر ایسی ہی کوئی بات ہے تو آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں......؟''

شالینی بالکل انجان بن گئی۔

''پڑھی لکھی ہو، سمجھ دار ہو، خود ہی سمجھ لو......''۔

لالہ جی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں تو بس یہی سمجھ سکتی ہوں کہ آگے پڑھنے کے بعد میں آپ سب کے زیادہ کام آسکوں گی......''۔

''ایک لڑکی ماں باپ کی سب سے بڑی مدد یہی کر سکتی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، ماں باپ کے بوجھ کو ہلکا کر دے، جس گھر میں بھی جائے ماں باپ کا سر اونچا رکھے......''۔

''پتا جی...... آج کے سماج میں عورت اور مرد کے کاموں کا الگ الگ Airtight Compartment نہیں ہے۔ آج سماج اور زندگی دونوں کی گاڑی مل کر کھینچنی پڑتی ہے دونوں کو......''۔

شالینی کے منہ سے اتنی سنجیدہ باتیں نکلتی دیکھ کر لالہ جی بھونچکے رہ گئے، اتنی دلیری اور بے باکی سے وہ ان کے سامنے زبان نہیں کھولتی تھی۔ یہ اعلیٰ تعلیم کی خوبی تھی یا......؟

دیر تک وہ ضبط ہی نہیں کر سکے۔

''جب اتنی باتیں تم سمجھ لیتی ہو تو یہ بھی سنو کہ ہم ہزار لکھ پڑھ کر روشن خیال بن جائیں، چند بنیادی باتوں سے کبھی ہٹ نہیں سکتے چاہے وہ کتنی ہی پرانی، فرسودہ اور بیکار

کیوں نہ ہوں۔لڑکیوں کے سلسلے میں دو باتیں ہیں، زیادہ تعلیم یافتہ ہونے پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ لڑکی کی عمر یقیناً زیادہ ہے تب ہی تو وہ اتنے دنوں تک پڑھتی رہی، دوسرے اس کے جوڑ کا لڑکا آسانی سے نہیں ملتا...... میں تمہاری تعلیم کا مخالف نہیں ہوں بیٹا، تم یہ شوق بعد میں پورا کر لینا......"۔

شالینی کی ماں دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔لالہ جی سے شادی کے وقت وہ اپنے خاندان اور محلے کی سب سے تعلیم یافتہ لڑکی تھیں یعنی میٹرک پاس...... ان کا گھرانہ دولت مند نہیں تھا لیکن ان کی تعلیم ہی امرناتھ اور ان کے گھر والوں کے لئے کشش کا سبب بنی تھی، دونوں کو اپنے مورچے پر ڈٹا دیکھ کر وہ دخل دینے پر مجبور ہو گئیں۔

"بات تو وہ سچ ہی کہہ رہی ہے، زمانہ بہت بدل گیا ہے۔اب پڑھے لکھے لوگوں کو آگے بڑھنا ہی ہوگا ورنہ دوسروں کو کیسے ہمت ہوگی......؟"

"ارے بھائی، میں پڑھنے کا مخالف نہیں ہوں، تم لوگ میری بات سمجھ ہی نہیں رہے۔اصل بات یہ ہے کہ کیا ہم سماج سے دو بدو لڑائی کے لئے تیار ہیں......؟ اگر ہیں تو اس لڑائی میں، میں سب سے آگے رہوں گا، تم لوگ اطمینان رکھو......"۔

لالہ امرناتھ کے انداز میں کوئی شکوہ نہیں تھا۔وہ ایک باشعور اور حوصلہ مند شخص ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر کے کسی گوشے میں ایک نامعلوم سی کمزوری محسوس کرتے تھے اور یہی چیز اکثر ان پر غالب آ جاتی، لیکن ناامیدی اور مایوسی میں بھی شالینی کو امید کی ایک روشن کرن دکھائی دے گئی۔وہ مسکرا کر بولی___

"آپ شاید ڈگری والی تعلیم سے خوف زدہ ہیں پتا جی...... میں ایسا کرتی ہوں کہ پڑھوں ضرور لیکن امتحان نہیں دوں...... آپ یہی چاہتے ہیں نا......؟"

امرناتھ کے چہرے پر اچانک خوشی کی کرنیں پڑیں، واقعی شالینی نے پتے کی بات کہی تھی۔

"بس بیٹی، تم نے ثابت کر دیا کہ تم لکھنے پڑھنے میں کبھی پیچھے نہیں رہو گی، مجھے دکھ

ہے کہ پہلے میں تمہیں اپنی آتما نہیں دکھا سکا۔ تم خوب علم حاصل کرو، تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی اور جب وقت آئے گا تو ڈگری بھی حاصل کر لینا......"۔

"تھینک یو پتا جی...... آپ مجھے کس قدر چاہتے ہیں اس کا اندازہ مجھے آج ہی ہوا......"۔

"لیکن بٹی، تم کالج جائے بغیر...... ایم اے کا کورس پڑھنا آسان تو نہیں ہوگا......؟"

"سمیر بھیا نہیں پڑھا سکتے کیا......؟"

"اوہ سمیر...... لڑکا تو پڑھا لکھا ہے، لیکن تمہیں آگے بھی پڑھا سکے گا، میں نہیں جانتا......"۔

"سمیر شالینی کو ضرور پڑھا دے گا، وہ بہت قابل ہے، آخر اسی کی محنت سے شالینی کا اتنا اچھا ریزلٹ آیا......"۔

شالینی کی ماں نے ان کی باتوں میں دخل دیا۔

"لیکن بھائی، اس سے کہے گا کون......؟ اس نے پہلے بھی کوئی معاوضہ نہیں لیا تھا......"۔

"وہ کمار کا دوست ہے، اس گھر کو اپنا گھر سمجھتا ہے، آپ اس سے مت کہنا، میں کہوں گی......"۔

شالینی خاموش رہی۔

سارا کام سمیر کی منشا کے مطابق ہی ہوا تھا۔

کمار واپس آیا تو سمیر اس سے ملنے آیا۔ کمار کو نئے فیصلے کی واقفیت ہو چکی تھی لیکن وہ سمیر سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ ذمہ داری اب سراسر ماں کی تھی۔

انہوں نے سمیر کو شالینی کے ریزلٹ کی خوشی میں ڈھیر ساری مٹھائیاں کھلائیں اور سوٹ کا ایک مہنگا پیس تحفتاً دیا۔ پھر بولیں ——

''بیٹا، اصل مبارکباد کے مستحق تو تم ہی ہو، سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے......''۔

''نہیں چاچی جی، میں نے تو اپنا فرض ادا کیا۔ شالینی کمار کی بہن ہے تو میری بھی تو کچھ ہوئی......''۔

''خوش رہو بیٹا۔ یہ سب تمہارے ماں باپ کے سنسکار کا نتیجہ ہے......''۔

''آپ کا آشیرواد ہے چاچی جی......''۔

''تم نے تو بیٹا اس لڑکی میں اس قدر شوق بھر دیا کہ اب وہ پڑھائی چھوڑنا ہی نہیں چاہتی''۔

''بھگوان کرے یہ بیماری سب کو لگ جائے چاچی جی......''۔

''لیکن اس کے پتا جی کالج جانے کے مخالف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جتنا اس نے پڑھ لیا، وہی کافی ہے......''۔

''لیکن چاچی، کالج اور یونیورسٹی میں جائے بغیر بھلا یہ کیسے ممکن ہے......؟''

''ہم نے اس کا ایک حل نکالا ہے......''۔

''کیا حل......؟''

''یہ ہے کہ شالینی گھر ہی پر پڑھے، بھلے ہی وہ ایم اے کا کورس پڑھے، اس کے پتا جی کا کہنا ہے کہ اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے سے شادی میں مشکل ہوتی ہے، برابری کا جوڑا نہیں ملتا......''۔

''آپ لوگوں کا فیصلہ ہے تو مجھے کیا کہنا ہے، میں پڑھا دیا کروں گا اسے، آخر میں بے کار ہی رہتا ہوں......''۔

سمیر نے اپنی بے پناہ خوشیوں کو دبا کر بہت آسانی سے آفر کر دیا، حالانکہ وقت اس کے پاس بالکل نہیں تھا۔ اس کا ایک ایک لمحہ لڑی میں پرویا ہوا تھا اور ہر لمحے کی ایک قیمت تھی۔ اس کے پاس کچھ اور وقت ہوتا تو وہ اسے بھی اسی لڑی میں پرو دیتا......۔

''جیتے رہو بیٹا...... ہم ڈر رہے تھے کہ تمہارے پاس وقت......''۔

''اپنے گھر کے لئے وقت ناوقت کیا چیز ہوتا ہے چاچی جی...... پھر آپ لوگوں سے جو پیار مجھے ملا ہے، وہ کہیں اور ملے گا کیا......؟''

''شالینی، آج تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہی ہوگا......''۔

سنتوش کے لہجے میں پتہ نہیں وہ کون سی طاقت تھی جس کے سامنے شالینی بالکل ہار مان گئی۔

''میں نے تو تمہارا جنم جنم ساتھ دینے کی قسم کھائی ہے ڈیئر......''۔

''خیر، جنم جنم والی بات تو خالص رومانی ہے، آپ تو جنگل میں بھی میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتیں......''۔

''بھئی جنگل میں تو شیر اور شیرنی آپ کا ساتھ دینے کو اتارو رہتے ہیں، ان کے سامنے میری کیا اوقات ہے......''۔

''آپ صحیح فرماتی ہیں...... لیکن یقین جانئے، شیر اپنی شیرنی کو لے کر جب میری کمپنی میں آتا ہے تو اس وقت میں اپنے آپ کو واقعی تنہا محسوس کرتا ہوں''۔

''یہ بات ہے تو پھر میں جنگل میں جانے کو بھی تیار ہوں لیکن آپ نے اپنے دوست کی ضیافت اگر اس خاکسار سے کرنی چاہی تو......؟''

''جناب، میرے دوست اتنے بدذوق نہیں......''۔

''ذوق کا سارا کاروبار انہوں نے تمہارے لئے چھوڑ رکھا ہے کیا......؟''

''ایسی ہی بات ہوتی تو کیا یہ حقیر آپ کے ساتھ نباہ کر سکتا تھا؟''

''کیسے کہا جائے...... ابھی تو سفر شروع ہی ہوا ہے، ابھی تو بہت ہی لمبی مسافت باقی ہے......''۔

''صحیح کہا تم نے...... سفر خوشگوار ماحول میں اور تازہ دم ہو کے شروع کیا جائے تو منزل پر پہنچنا آسان ہوتا ہے''۔

''لیکن سنتوش، تم تو جنگل جا کر تازہ دم ہوتے ہو......''۔

''نہیں...... ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے میں تازہ دم ہوتا ہوں......''۔

''اور ان سبھی باتوں کا تعلق تم سے اور صرف تمہاری ذات سے ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں......''۔

''غلط فہمی ہے تمہاری...... ایسی بات ہوتی تو اپنے شوق کی جگہ میں تمہیں کیسے لے جاتا......''۔

''کمپنی کے لئے......''۔

''کمپنی تو مجھے کہیں بھی مل سکتی ہے، تمہاری ہی کمپنی کیوں......؟''

''یہ تم اپنے آپ سے پوچھو......''۔

''بالکل سامنے کی بات ہے، میں تمہیں اپنے طور پر دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں......''۔

شالینی نے کوئی جواب نہیں دیا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ پھر سنتوش کی طرف مڑ کر بولی—

''تم تو برجیس پہن لو گے، میں کیا پہنوں......؟''

''ساڑی تو بالکل نہیں چلے گی...... سوٹ یا پھر چوڑی دار یا جینس......''۔

''تم ایک ہی چیز کا نام کیوں نہیں لیتے......؟''

''تمہاری چوائس پر......''۔

''مہربانی فرمانے کی ضرورت نہیں۔ چوائس آپ خود ہی کر لیتے تو کرم ہوتا''۔

''چلو، ابھی بھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی، جینس نکال لو......''۔

''شکریہ......''۔

شالینی نے ایک بغیر آستین کا ڈھیلا سا کرتا اور شلوار پہن رکھا تھا۔ اس نے گرمیوں کے لئے خاص طور سے اسے سلوایا تھا۔ اسے وہ گھر میں ہی پہنتی اور باہر کے کسی آدمی کے سامنے نہیں جاتی تھی۔ اچانک سمیر آ پہنچا کہ وہ کپڑے تبدیل ہی نہیں کر سکی۔ سمیر نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ شالینی جھینپ گئی۔

''کیا دیکھ رہے ہو......؟''

''کیا نہیں دیکھ رہا ہوں......؟''

''بناتے ہو......؟''

''جس کو بنانے والے نے اپنے ہاتھوں سے بنا کر بھیجا ہو، اس میں، میں کچھ کرنے والا کون؟''

''آخر ایسی کون سی مصیبت نازل ہوگئی جس سے جناب شاعر بن گئے؟''

''شاعری میرے اندر کا وہ کیمرہ ہے جس سے میں بس تمہاری تصویر کھینچتا رہتا ہوں......''۔

''دیکھو بھائی، سیدھے سیدھے بات کرو تو میں کچھ سنوں، اتنی گاڑھی گاڑھی باتیں اپنے سمجھ میں نہیں سماتیں......''۔

''بہت ظالم ہو تم......اچھا یہ بتاؤ، یہ لباس پہننے کا مشورہ تمہیں کس نے دیا؟''

''کیا بہت خراب ہے......؟''

''بہت زیادہ خراب......اتنا کہ اس نے مجھے ہر طرح سے لوٹ لیا، مجھے کہیں کا نہ رکھا......''۔

''صحیح کہا جاتا ہے کہ شاعروں کی چولیں ڈھیلی ہوتی ہیں، اور کچھ نہ ملا تو جناب اس

بے ڈھنگے معمولی لباس ہی پر ستم فرمانے لگے......''۔

''کاش تم میری آنکھوں سے سب کچھ دیکھ سکتیں۔ یہ کھلی کھلی بانہیں، کشادہ گلا، ان ہلکے پھلکے کپڑوں میں مچلتا ہوا پر شباب جسم......اس لباس نے تمہارے سانولے حسن کی جس طرح نقاب کشائی کی ہے، اس کے لئے میں ہمیشہ اس کا شکرگزار رہوں گا''۔

''کہو تو کپڑے اتار کر تمہارے حوالہ ہی کر دوں، ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتے رہنا......''۔

''نہیں......اس کی قسمت تو تمہارے جسم کے ساتھ وابستہ ہے......''۔

''تم کوئی اور بات نہیں کر سکتے......؟''

''ان سے زیادہ اچھی باتیں نہ میں نے کبھی کی ہیں اور نہ کبھی کروں گا......''۔

''اچھا، یونہی باتیں کرتے رہیں گے یا چل کر بیٹھیں گے بھی......؟''

''ابھی میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں، گھنٹے دو گھنٹے میں لوٹوں گا، پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ لیکن......ایک درخواست ہے تم سے......''۔

''یعنی اب آپ کو بھی مجھ سے درخواست کرنے کی ضرورت پیش آ گئی......؟''

''بات ہی کچھ ایسی ہے، تم مانو نہ مانو......''۔

''اب پہیلیاں نہ بجھاؤ، جلدی سے کہہ بھی چکو، خواہ مخواہ ستا رہے ہو......''۔

''پہلے تم وعدہ کرو کہ......''۔

''چلو کر لیا، اب جلدی سے درخواست پیش کرو......''۔

''میری واپسی تک تم اسی لباس میں رہنا......''۔

''یہ کوئی بات ہوئی بھلا، میں تو اس میں کسی کے پاس جاتی بھی نہیں، کوئی اگر آ گیا تو......؟''

''میں تو پہلے ہی جانتا تھا، تم نہیں مانو گی......''۔

''میں اچھے کپڑوں میں تمہیں اچھی نہیں لگتی کیا......؟''

''لگتی کیوں نہیں...... بے شک اچھے کپڑے تمہیں خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں، تمہارے حسن کو دوبالا کرتے ہیں، لیکن یہ لباس تمہیں یوں سامنے لا رہا ہے جیسی تم ہو، لیکن خیر، چھوڑو، تم یہ سب نہیں سمجھ سکو گی......''۔

''تم جان ہی دینے پر تلے ہو تو چلو، میں تمہاری درخواست قبول کرتی ہوں......''۔

''شکریہ...... بہت شکریہ، واقعی تم نے ثابت ہی کر دیا......''۔

''کیا......؟''

''تم جان سے نیچے کا نذرانہ قبول نہیں کرتیں......''۔

''بہت شریر ہو تم......''۔

———●———

_________ جنگل کا راستہ، خدا کی پناہ۔

شالینی قبل بھی پکنک وغیرہ پر جنگل گئی تھی لیکن وہ جنگل تو بہت خوبصورت تھے۔ انسانی ہاتھوں سے ترشے ترشائے، سجے سجائے، لیکن یہاں...... یہاں تو جو بھی پودا تھا وہ خودرو...... یہ جنگل شاید انسانوں کے لئے تھے ہی نہیں، یا پھر سنتوش جیسے انسان کے لئے ہوں۔ سنتوش تو یوں آسانی سے چل رہا تھا جیسے ان راستوں سے اس کی پرانی پہچان رہی ہو۔ شالینی البتہ پل صراط سے گزر رہی تھی۔ سنتوش کبھی کبھی اسے سہارا دے دیتا لیکن اس کے پاس خود ہی اتنا سامان تھا کہ اس کے لئے اور کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔

''اُف، سنتوش تم کہاں لے آئے، میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ......''۔

''ڈارلنگ، زندگی کا راستہ بھی بہت سہل نہیں ہے، ان راستوں پر بھی چلنا سیکھو......''۔

''تو تم مجھے یہاں سبق پڑھانے لائے ہو......؟''

''تم ہر بات میں اتنی سیریس کیوں ہو جاتی ہو بھائی......؟''

''تم بات ہی ایسی...... اُف بھگوان، پلیز ذرا میرا ہاتھ تو تھامنا، ابھی پھسل جاتی......''۔

سنتوش نے اسے فوراً تھام نہ لیا ہوتا تو وہ گر ہی جاتی۔ بغل ہی میں ایک خطرناک کھائی تھی۔

''دیکھو پیاری...... یہاں چلنے کا مزا اس وقت ہے جب آدمی لنگڑاتا، لڑکھڑاتا ہوا اپنا راستہ خود ہی نکالے۔ دوسروں کے سہارے چلنے والے اپنا راستہ کبھی نہیں نکال سکتے......''۔

''میں تمہارا بھاشن سنوں یا اپنی جان بچاؤں......؟''

''ڈرو نہیں، یہ جنگل ہے، شہر نہیں ہے، یہ جان لیتا نہیں دیتا ہے......''۔

''اور یہ کاندھے پر لٹکتی بندوق پھول اگلتی ہے کیا......؟''

''یہ بھی کسی بے گناہ کا خون نہیں بہاتی......''۔

''تو کیا یہ بچوں کے کھیلنے کی چیز ہے......؟''

''اپنی حفاظت کی...... جانور تو پھر بھی جانور ہیں کہ معمولی ہتھیاروں سے ڈر بھی جاتے ہیں۔ انسانی دماغوں نے انسان ہی کو ختم کرنے کے لئے جو طرح طرح کے ہتھیار ایجاد کر رکھے ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے......؟''

''میں تو بس یہی جانتی ہوں کہ جنگل میں شکار کے لئے جایا جاتا ہے، اب پتہ چلا کہ یہ تو تفریح کی جگہ ہے......''۔

''تفریح ہی کی جگہ ہے ڈارلنگ...... شہر کے دھوئیں، بھاگ دوڑ اور چیخ پکار میں تفریح بیچاری کا کیا کام...... لیکن خیر، یہ اپنے اپنے نظریے کی بات ہے......''۔

''چلتے ہی رہیں گے یا کہیں بیٹھ کے سانس بھی لیں گے......؟''

شالینی تھک بھی گئی تھی، اکتا بھی گئی تھی۔

''اتنی جلدی اوب گئیں......''۔

سامنے ایک گھنا درخت تھا، لمبی لمبی شاخیں اور موٹے موٹے تنے...... سنتوش جوتوں سمیت بڑی آسانی سے اوپر چڑھ گیا اور شاخوں میں اپنے آپ کو پھنسا کر یوں بیٹھ گیا جیسے وہ اپنے ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھا ہو۔ شالینی اسے حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔ سنتوش مسکرایا۔

''کیوں...... حیرت کیوں ہو رہی ہے......؟ تم بھی آجاؤ......''۔

''سچ مانو تو آج ہی مجھے ڈارون کی تھیوری پر یقین آیا......''۔

''ابھی تم نے دنیا کہاں دیکھی ہے میری جان...... ابھی تو تم نے چلنا سیکھا ہی ہے......''۔

''میں نے تمہاری طرح پریکٹس نہیں کی ہے بندر بننے کی......''۔

''نہیں کی تو اب شروع کر دو...... لو میرا ہاتھ پکڑو اور چلی آؤ......''۔

سنتوش نے اپنا ہاتھ بڑھایا، شالینی نے اپنے سینڈل اتار کر سنتوش کو تھما دیئے۔ سنتوش نے دونوں سینڈل درخت کی دو چھوٹی شاخوں میں اٹکا دیئے، پھر خود ہی ہنس پڑا۔

''شالینی، دیکھنا درخت پر تمہارے سینڈل پھل رہے ہیں......''۔

''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میرے پیروں میں کانٹے چبھ رہے ہیں......''۔

''میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو تم نے سینڈل تھما دیئے...... لو اب تو میرا ہاتھ تھام لو......''۔

سنتوش کے سہارے شالینی بچتے بچاتے بہت احتیاط کے ساتھ درخت پر آخر کسی طرح چڑھ ہی گئی۔ اوپر وہ سنتوش کے بالکل قابو میں تھی۔ اس نے اس کو اپنی گود میں بھر کر ایک شاخ میں یوں پھنسا دیا کہ اس کے خوبصورت کولہے ایک بے حد خوشنما پھل کی طرح نیچے ابھر آئے۔ سنتوش نے ایک قہقہہ لگایا۔

''لو میری جان...... تم تو اس درخت میں پھنس کر جنت کا ایک پھل بن گئیں......''۔

شالینی کچھ نہ بولی۔ ڈر کے چند لمحوں کے بعد اب اسے کچھ کچھ مزا آ رہا تھا۔ ایک

شاخ پر وہ بیٹھی تھی، دوسری پر سنتوش۔ دونوں کے پیر ایک دوسرے کی گود میں تھے۔ سنتوش کو رہ رہ کر شرارت سوجھ رہی تھی۔ وہ درخت کو ہلا دیتا تو شالینی کی شاخ بھی ہل جاتی۔ شالینی ڈر تو جاتی لیکن اسے کسی جھولے کا سا مزا آرہا تھا۔

ٹھنڈی ہوائیں مست مست جھوم رہی تھیں اور جھونکوں کے ساتھ ان کے چہرے اور جسم پر اپنی پھواریں ڈال رہی تھیں۔ پرندوں کی چہچہاہٹ سے ساری فضا گونج رہی تھی۔ شالینی کا جی چاہا کہ کاش وہ ٹیپ ریکارڈ لے کر آتی تو اس زندہ جاوید موسیقی کو ہمیشہ کے لئے قید کر لیتی۔

اچانک ہرنوں کا ایک غول قلانچیں بھرتا ہوا پاس سے گزرا۔ سنتوش کی انگلیاں بے ساختہ ٹریگر پر چلی گئیں۔ لیکن شالینی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیا کر رہے ہو...... جنگل سے ہمیشہ کے لئے نفرت دلا دو گے مجھے......؟''

سنتوش ہنس کر رہ گیا۔ ہرنوں کا غول نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سنتوش نے اپنے تھیلے سے ایک دوربین لگا کر شالینی کو تھمایا۔ شالینی نے دوربین آنکھوں پر لگایا تو اسے ہرنوں کا غول اٹکھیلیاں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اس منظر سے وہ بہت لطف اندوز ہوئی۔

''بھوک نہیں ہے کیا...... کچھ کھانے پینے کا ارادہ ہے یا......؟''

سنتوش نے پوچھا۔

''تم کہتے تو ہوٹل سے ڈبہ لے آتی...... یہاں......؟''

''ہم فقیروں کو کسی چیز کی محتاجی نہیں ہوتی، ہم جہاں چاہتے ہیں، دینے والا وہیں ہمیں دے دیتا ہے......''۔

''ذرا میں بھی تو دیکھوں تمہاری فقیری میں شہنشاہی......''۔

سنتوش بندر کی طرح درخت سے کودا، دھوپ کا چشمہ آنکھوں پر لگایا، اوپر دو چار بار اِدھر اُدھر دیکھا، پھر دھائیں دھائیں دو تین فائر...... دو تین فاختائیں دور گریں۔ وہ ان کی طرف دوڑا اور چاقو سے ان کی گردنیں الگ کر کے انہیں لٹکائے ہوئے فاتحانہ انداز میں

شالینی کی طرف لوٹا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

''کیوں......؟ کیا ہوا......؟''

''اگر میں جانتی کہ تم اتنی بے رحمی دکھاؤ گے تو میں کبھی نام نہ لیتی......''۔

''یہ کیا بات ہوئی......؟ یہ تو ہماری غذا ہے......''۔

''معصوم پرندوں کی جان لینا......''۔

سنتوش ہنس پڑا۔

''بھئی یہ بھی خوب رہی......یعنی میلی ہونے کے ڈر سے آپ کو نہ چھوؤں......؟''

''تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں......''۔

''دیکھو، پیدا کرنے والے نے کچھ چیزیں خاص مصرف کے لئے بنائی ہیں۔ اگر ہم اپنی ناقص عقل اس میں کھپائیں گے تو بنانے والے کے تناسب کو بگاڑنے کا سبب ہی بنیں گے......''۔

''اپنا پیٹ بھرنے کے لئے معصوم پرندوں اور جانوروں کو ان کی خوشیوں سے محروم کرنا ہی میں انسانیت نہیں سمجھتی......''۔

''تو کیا آپ ویجیٹیرین ہوگئی ہیں......؟''

''نہیں تو......''۔

''تو پھر آپ ہوٹلوں میں جو مٹن چاپ، تندوری چکن، کباب اور تکے وغیرہ نوش فرماتی ہیں تو ان جانوروں کی روحیں آپ کو دعائیں دیتی ہیں کیا......؟''

''میں اپنی آنکھوں سے تو انہیں کٹتے نہیں دیکھتی......''۔

''بھئی یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ چونکہ آپ نے اپنی آنکھوں سے انہیں قتل ہوتے نہیں دیکھا اس لئے آپ ان سے ہمدردی نہیں رکھتیں۔ فاختائیں آپ کے سامنے شہید ہوئی ہیں اس لئے آپ ان کے غم میں آنسو بہا رہی ہیں......''۔

''میں تو نہیں کھاؤں گی......''۔

''آپ کی مرضی، ویسے یہاں آپ کو تکے، کباب اور سلاد تو ملنے سے رہے......''۔

''میں بھوکی رہ لوں گی......''۔

''آپ کی خوشی...... لیکن کیا آپ انہیں بھوننے میں میری کچھ مدد کرسکیں گی......؟''

''میں انہیں ہاتھ تو نہیں لگاؤں گی، اس کے علاوہ تم جو کہو......''۔

شالینی بہت احتیاط سے نیچے اتر آئی۔ سنتوش نے اسے سوکھی لکڑیاں چننے میں لگا دیا اور خود فاختاؤں کو صاف کرنے بیٹھ گیا۔ پھر ان میں مسالے لگائے جو وہ ڈبوں میں لایا تھا اور پھر آگ جلا کر انہیں بھوننے لگا۔

''میرے نالج میں اضافہ ہوا کہ تم بہت اچھے کوک بھی ہو اور ایک چھوٹا موٹا کچن ساتھ لے کر چلتے ہو......''۔

''کرنا پڑتا ہے میری جان...... ضرورت......''۔

فاختائیں سرخ ہوگئیں تو سنتوش نے انہیں اتار لیا اور پھر بڑے مزے سے انہیں نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ شالینی کا منہ اور بن گیا۔ اس کی آنکھوں میں اس منظر کے لئے سخت بیزاری تھی۔

سنتوش نے ایک پوری فاختہ چٹ کر لی تو دوسری اٹھالی۔

''پھر سوچ لیجئے میڈم...... یہاں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا......''۔

''تم جو سزا دینے یہاں لائے ہو، اسے بھگتنے میں کوئی بزدلی نہیں دکھاؤں گی، اطمینان رکھو......''۔

''جناب کی مرضی......''۔

سنتوش کھانے میں مصروف رہا۔ سوندھی خوشبو شالینی کے نتھنوں سے ہو کر اس کے معدے تک پہنچنے لگی تھی۔ اس نے اپنی ناک پر رومال رکھ لیا۔

سنتوش نے دوسری فاختہ کو ٹھکانے لگا کر تیسری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''کس طرح بھوکوں کی طرح ٹوٹے پڑ رہے ہو......''۔

وہ جل کر بولی۔

''میڈم...... انسان بنیادی طور پر ایک جانور ہی ہے۔ اس لئے فطری عمل میں اس کی جھلک آجاتی ہے۔ اس لئے آپ دیکھتی رہئے اور سوچتی رہئے......''۔

سنتوش نے فارغ ہو کر نیپکن سے اپنے ہاتھ پونچھے اور ایک ڈکار لی۔ ابھی دو بھنی ہوئی فاختائیں دھری تھیں۔ تھرمس میں پانی تھا لیکن وہ چشمے کے پانی کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ یہیں تشریف رکھیں گی یا......؟''

''میں یہیں رہوں گی، تھرمس میں میرے لئے پانی لیتے آنا......''۔

''لیکن آپ نے کچھ کھایا نہیں، پانی کیا پئیں گی......؟''

سنتوش چلا گیا۔ شالینی کا بھوک سے برا حال تھا۔ وہ کافی تھک بھی چکی تھی۔ اس پر سے سنتوش کا اس کی آنکھوں کے سامنے چڑاچڑا کر بھنی ہوئی فاختائیں کھانا......۔

جب تک سنتوش کھاتا رہا وہ اندر اندر طرح طرح کے خیالات سے گزرتی رہی۔ قسم قسم کی دلیلوں سے الجھتی رہی۔ کسی بات سے کبھی قائل ہو جاتی اور کبھی قائل کرنے کی کوشش کرتی...... اتنی دیر میں لاشعوری طور پر وہ ایک نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔ جیسے ہی سنتوش اس کی نظروں سے اوجھل ہوا، وہ فاختاؤں پر ٹوٹ پڑی اور چند ہی لمحوں میں چٹ کر گئی۔ پھر سنتوش کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں میں اپنی کھائی ہوئی ہڈیاں بھی گھسیڑ دیں اور نیپکن سے منہ، ہاتھ پونچھ کر یوں بیٹھ گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

سنتوش تھوڑی ہی دیر میں تھرمس لٹکائے واپس آ گیا۔ اس نے صورت حال میں ایک غیر معمولی پن کو فوراً محسوس کر لیا اور کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اس کے اندر سے کوئی ہاتھ بڑی تیزی سے باہر نکلا اور اس کے منہ پر لگ گیا۔

شالینی نے اس کے ہاتھ سے تھرمس لے لیا اور پانی پینے لگی۔

''چلا جائے......؟ کافی دیر ہو گئی ہے......''۔

اچانک مسلط ہوئی خاموشی کو سنتوش نے توڑنے کی کوشش کی۔ شالینی کچھ نہ بولی لیکن اس نے سنتوش کو جن نگاہوں سے دیکھا وہ بے حد بولتی ہوئی تھیں...... لیکن سنتوش......۔

وہ تو اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔

''ویسے تفریح اچھی رہی......''۔

شالینی نے محتاط انداز میں ایک جملہ ادا کیا۔

''ہاں...... خوشی اس بات کی ہے کہ تم نے بھی انجوائے کیا......''۔

سنتوش کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی جسے شالینی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

''کریڈٹ تمہیں جاتا ہے، تم نے اس کا موقع دیا''۔

ہوٹل پہنچ کر دونوں تازہ دم ہوئے۔ سنتوش گنگنا رہا تھا اور شالینی اس کے سُروں میں دھیرے دھیرے ساتھ دے رہی تھی۔

کھانے میں ابھی دیر تھی۔ وہ دونوں شاپنگ اور شاپنگ سے زیادہ ٹہلنے کی نیت سے باہر نکل گئے۔

''ذرا ٹھہرنا تو......''۔

ٹافیوں کی ایک بڑی سی دوکان پر شالینی اچانک رک گئی۔

''یہ ٹافیوں کی دوکان ہے بھئی......''۔

سنتوش نے غور سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں...... مجھے ٹافی چاہئے......''۔

''یہ شوق کب سے......؟ ابھی تو......''۔

سنتوش مسکرایا۔ شالینی جھینپ گئی۔

''مجھے ٹافی بہت پسند ہے۔ میرے لئے اچھی اچھی ٹافیاں لے دو نا سنتوش......''۔

شالینی مچل گئی۔ سنتوش کو اس کی اس ادا پر بہت پیار آ گیا اور وہ شالینی کے ساتھ

بندھا بندھا دوکان کے اندر چلا گیا۔ شالینی کی پسند سے اس نے مختلف ٹافیوں کے کئی پیکٹ خرید لئے۔ باہر آ کر شالینی نے ایک پیکٹ کھولا اور ٹافی کا ریپر الگ کر کے اس نے سنتوش کی طرف بڑھایا۔

''میں نہیں کھاتا بھائی...... تم کھاؤ......''۔

''مت کھاؤ...... صرف چوس کر مجھے دے دینا......''۔

شالینی کی آواز میں ایک انجانی لذت کی خوشیاں لرز رہی تھیں۔ سنتوش نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یعنی......؟''

''ٹافی چوس کر مجھے واپس کر دو......''۔

''کیا بچوں جیسی بات کر رہی ہو......؟''

''بات صرف خوشی کی ہے سنتوش...... جو عمل انسان کو خوشی دے، وہی سچی خوشی ہے......''۔

''فلسفی بننے کی کوشش مت کرو ڈارلنگ...... کیا تم نہیں جانتیں کہ ایک کا لعاب دوسرے کو نہیں لگنا چاہئے......؟''

''جانتی ہوں، لیکن ایک کا دوسرے کو نا، ہم تو......''۔

''واپس آ جاؤ ڈارلنگ...... ہم گوشت پوست کی ایک بے رحم دنیا میں رہ رہے ہیں، کوہ قاف کی پریوں کے دیس میں نہیں......''۔

''کیوں بور کر رہے ہو ڈارلنگ...... سیدھے سیدھے بتاؤ، دیتے ہو یا نہیں......؟''

''میں جان بوجھ کر تمہیں زہر تو نہیں دے سکتا نا......''۔

''لیکن میں یہ زہر ضرور کھاؤں گی......''۔

وہ بہت غصہ کے عالم میں بولی اور ایک ساتھ کئی ٹافیاں منہ میں ٹھونس لیں۔ پھر فوراً ہی دو تین ٹافیاں اگل دینی پڑیں کیوں کہ ان کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔ سنتوش چپ

چاپ دیکھتا رہا۔ شالینی غصہ میں بل کھا رہی تھی۔ سنتوش کو پتہ تھا کہ اب وہ صرف چپ ہی رہے گی۔

وہ ہوٹل واپس آ گئے۔

صوفے پر بیٹھی شالینی ریپر علیحدہ کر کے ٹافیاں منہ میں ڈالتی رہی اور کھانے کی بجائے انہیں منہ سے نکال کر پھر ریپر میں لپیٹ دیتی۔ سنتوش بہت غور سے اس کی حرکت کو دیکھ رہا تھا، لیکن شالینی کو جیسے اس کی موجودگی کی پرواہی نہیں تھی۔

سمیر جب بھی آتا، اس کے لئے ٹافیاں ضرور لاتا۔ اس کی خوشیاں دوبالا ہو جاتیں۔ ٹافیاں اسے بہت پسند تھیں۔ اسے بچوں کی طرح خوش ہوتے دیکھ کر سمیر بہت خوش ہوتا اور بہت خوشی خوشی اسے تکتا رہتا۔ ایک بار اس نے کہا—

''کیا مزے سے کھا رہی ہو...... مجھے بھی نہیں دیتیں......؟''

''تم تو خود ہی مجھے دیتے ہو......''۔

''پھر بھی......''۔

''لے لو بھائی...... جتنا دل چاہے......''۔

''کون سی نئی بات ہو جائے گی، میں خود بازار سے نہیں خرید سکتا کیا......؟''

''تو پھر......؟ میں تمہیں خرید کر دوں......؟''

''میں خود بھی خرید سکتا ہوں بھائی، اتنی صلاحیت تو ضرور ہے مجھ میں......''۔

''پہیلیاں کیوں بجھا رہے ہو......؟ میری سمجھ تمہاری طرح تیز نہیں ہے......''۔

''جو میں کہوں، مان لوگی......؟''

''امتحان لینا چاہتے ہو......؟''

''زبان سے پھر نامت......''۔

سمیر نے ایک ٹافی کا ریپر نکال کر شالینی کے منہ میں ڈال دیا۔

''اب نکالو......''۔

''یہ کیا بات ہوئی......؟''

شالینی نے ٹافی نکالتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔سمیر نے ٹافی اپنے منہ میں رکھ لی۔شالینی جیسے چیخ پڑی۔

''اُف، بالکل دیوانے ہو گئے ہو......؟''

''بے شک......''۔

''یہ کون سا طریقہ ہوا......؟''

''بس یہ ہمارا طریقہ ہے......''۔

''تمہاری کوئی بات میرے پلے نہیں پڑتی......''۔

گویا یہ معمول بن گیا۔سمیر جب بھی ٹافیاں لاتا، شالینی سے اپنا حصہ وصول کر لیتا۔ شالینی کو یہ بات بہت عجیب لگتی لیکن سمیر کی بات تھی، اس کی ہر ادا اسے پیاری تھی۔

سنتوش نے دور سے شالینی کو بالکونی میں ایک غیر ملکی لڑکی کے ساتھ دیکھا۔ دونوں آپس میں گھل مل کر اس طرح باتوں میں مصروف تھیں کہ بات بات پر قہقہے پھوٹ رہے تھے...... باتیں کم، ہنسی زیادہ۔ سنتوش کو دیکھا تو وہ اور ہنسنے لگیں۔ سنتوش جھینپ گیا اور سیدھا کمرے میں چلا گیا۔شالینی کافی دیر کے بعد آئی تو سنتوش کپڑے تبدیل کر کے مسہری پر دراز تھا۔شالینی کا چہرہ بات بات پر ہنسنے سے سرخ تھا۔

''بہت خوش نظر آ رہی ہو......؟''

''بس اپنا موڈ ہے......''۔

''کون لڑکی تھی......؟''

'ہنی مون کے لئے آئی ہے......''۔

''یہ ویسٹرن بھی......ساری دنیا میں انہیں یہی ایک جگہ پسند آئی......؟''

''اپنے دیش کی پراسراریت انہیں یہاں کھینچ لاتی ہے......''۔

''کون سے اسرار سے ان کی واقفیت ہوئی......؟''

''ابھی تو وہ اپنا ہی اسرار جاننے کی کوششوں میں مصروف ہیں......''۔

''اس میں انہیں کچھ کامیابی ملی......؟''

سنتوش کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔

''یہی بات اگر وہ ہم سے پوچھ لیں......؟''

شالینی نے بھی سوال داغا۔

''میں کہوں گا کہ دنیا میں آج تک کسی نے اپنا اسرار پایا ہے کیا......؟''

''اپنے بارے میں کہہ سکتے ہو......مرد ہونا......''۔

''میں تو بالکل سامنے کی چیز ہوں......''۔

شالینی خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر ایک چھوٹا سا طوفان برپا ہے۔

سنتوش نے شالینی کی شاید وہ بات سن لی جو اس نے نہیں کہی تھی۔

''اچھا چھوڑو......یہ بتاؤ وہ لڑکی اور کیا کہہ رہی تھی......؟''

''بہت خوش تھی وہ، حالانکہ......''۔

''ہاں......ہاں، چپ کیوں ہوگئیں......؟''

''بات بہت عجیب سی ہے......''۔

شالینی شرما گئی۔

''عجیب باتیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں......''۔
سنتوش نے بڑے شوق سے آگے کھسکتے ہوئے کہا۔
''اس نے مجھ سے پوچھا......''۔
شالینی رک گئی۔اس کے چہرے پر رنگوں کے گلال کھل اٹھے۔
''بتاؤ بھائی......شرما کیوں رہی ہو......؟''
سنتوش کی دلچسپی بہت بڑھ گئی۔
''اوہ سنتوش، مجھے مجبور مت کرو، مجھ سے کہا نہیں جاتا......''۔
شالینی اٹھلا کر بولی۔
''واہ بھائی......تمہارے جیسی اسمارٹ لڑکی ایسی بات کہے تو میں کیا کہوں......؟''
سنتوش نے برا ماننے کی ایکٹنگ کی۔
''تو میں کیا کروں......؟''
''اچھی بیوی کی طرح بتا دو، میں تمہارا راز دار ہوں نا......''۔
سنتوش سنجیدہ ہو گیا۔
''اس نے مجھ سے پوچھا......''۔
شالینی پھر اٹک گئی۔
''اب سیدھی طرح بتاتی ہو یا میں گدگدی شروع کروں......''۔
سنتوش نے اپنی دونوں آستینیں چڑھا لیں۔اس کی گدگدی سے شالینی کو بہت وحشت ہوتی تھی۔
''اس نے پوچھا، کیا چلتا ہے، میں نے بتایا کہ......کہ......''۔
شالینی نے اپنا گلنار چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں سے ڈھانپ لیا۔
سنتوش نے ایک قہقہہ لگایا۔
''واہ میڈم......آپ نے اپنا اتنا اہم راز اتنی آسانی سے بتا دیا۔پھر جواب میں اس

نے کیا کہا......؟''

''اس کو تو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ بہت دیر تک حیرت اور سوچ میں ڈوبی رہی......''۔

''پھر......؟''

''اسے یقین ہی نہیں آیا، کہنے لگی بالکل ناممکن......''۔

''تعجب ہے، یہ کوئی ایسی بات تو نہیں جس پر یقین ہی نہ کیا جائے...... خیر، اس نے اپنے بارے میں کیا بتایا......؟''

سنتوش نے بہت دلچسپی سے پوچھا۔

''اس وقت میں حیرت میں پڑ گئی......''۔

''بتایا کیا اس نے......؟''

''اس نے بتایا......''۔

وہ پھر شرما گئی۔

''اُف، تم تو اس طرح شرما رہی ہو کہ...... ارے بھائی، یہ بہت ہی گمبھیر مسئلہ ہے اور اس پر ہمارے درمیان کھل کر گفتگو ہونی چاہیے......''۔

''کِس...... بیڈ کے وقت، کہیں آتے جاتے کِس کرتے ہیں۔ سڑکوں اور پارکوں میں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہیں اور ایک دوسرے سے لپٹ کر سو رہتے ہیں......''۔

سنتوش سوچ میں پڑ گیا۔ شالینی کے چہرے کی تمتماہٹ کم ہو گئی تھی۔ سنتوش دھیرے سے بولا——

''اس کا مطلب، سیکس سے جو دلچسپی انہیں ہونی چاہیے، وہ نہیں۔ وہ اسے بھی دوسری معمولی ضرورتوں کی طرح سمجھتے ہیں......''۔

''میں تو یہ سوچنے لگی کہ کہیں ہم تو ابنارمل نہیں......؟''

''ہرگز نہیں...... ہم ایک دم نارمل ہیں، البتہ وہ ضرور ابنارمل ہیں......''۔

''کیسے......؟''

''سیکس انسان کی اہم ترین اور بنیادی ضرورت ہے۔اس کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوتی۔زندگی کی اٹھان میں ایسا ہوتا ہے کہ سیکس انسان پر حاوی ہو جاتا ہے اور اسے یقینی حاوی ہونا چاہئے۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں......''۔

''مطلب......؟''

شالینی نے بے ساختہ پوچھا۔

''ایکس کیوزمی......مثلاً نامردی......''۔

''لیکن ان کے ساتھ تو ایسی بات دکھائی نہیں دیتی......؟''

''میں نے تو ایک عام بات کہی ہے۔ان کے ساتھ جو پروبلم ہے،اس کا کچھ کچھ اندازہ ہے مجھ کو......''۔

''تو پھر جلدی بتاؤ نا......''۔

''بتاتا ہوں بھائی......اتنا اہم مسئلہ اور اتنی جلدی......ذرا صبر کرو......''۔

سنتوش نے گھنٹی بجائی۔بیرا حاضر ہوا۔اس نے چائے اور اسنیکس کا آرڈر دیا اور لیٹ کر گنگنانے لگا۔شالینی اسے تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔سنتوش کا تجاہل عارفانہ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''تو تم نہیں بتاؤ گے......؟''

وہ اچانک جارحانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کے مصنوعی غصے پر سنتوش ہنس پڑا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھاتے ہوئے بولا——

''نہیں جی......سرکار کے سامنے میری یہ ہمت......ضرور بتاؤں گا آپ کو،نہیں بتاؤں گا تو آپ کا نالج کیسے بڑھے گا......''۔

شالینی نے تکیہ اٹھا کر اس کے سر کا نشانہ لیا،سنتوش جھک گیا اور تکیہ اندر داخل ہوتا ہوا بیرے پر پڑا جس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔وہ یوں ڈگمگایا کہ سارے برتن

چھناک سے زمین پر آرہے۔ وہ بہت خفیف سا انہیں جلدی جلدی چننے لگا۔ سنتوش نے اپنے ہاتھوں سے دوسرا تکیہ رکھ کر شالینی کو پیش کیا۔ شالینی غصہ بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''کوئی بات نہیں یار...... ذرا میم صاحب کا......''۔

سنتوش نے بیرے کو مخاطب کرتے ہوئے ایک آنکھ مارتے ہوئے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ بیرا مسکرانے لگا۔ اس نے سب کچھ بھول کر بڑی خوش دلی سے پوچھا—

''چائے اور لے آؤں صاحب......؟''

''ہاں...... ہاں، ضرور، لیکن یہ نقصان ہمارے کھاتے میں نہیں لکھنا......''۔

بیرا مسکراتا ہوا چلا گیا۔ شالینی نے لپک کر سنتوش کا کالر پکڑ لیا۔

''سیدھی طرح بتاتے ہو یا نہیں......؟''

''بتاتا ہوں یار، بتاتا ہوں......''۔

سنتوش نے دھیرے سے کالر چھڑایا اور شالینی کو اپنی بانہوں میں کس لیا۔ وہ کسمسا کر رہ گئی۔ سنتوش نے اسے گویا زیر کر کے چھوڑ دیا۔ وہ اپنے کپڑوں کو ٹھیک کرنے لگی۔ سنتوش نے کسی قدر سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

''بات یہ ہے ڈارلنگ کہ ان لوگوں نے سیکس کا اس قدر غلط استعمال کیا ہے کہ اس کی اہمیت ہی ان کی زندگیوں سے ختم ہوگئی۔ بچپن ہی سے ان کے ہاں یہ کھیل شروع ہو جاتا ہے اور زندگی کے اس موڑ کے آتے آتے اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے جب اسے سب چیزوں پر حاوی ہونا چاہئے۔ اس کے سبب زندگی پھیکی ہو جاتی ہے۔ یاد رکھنا، اس کے بغیر زندگی کا کوئی رنگ چوکھا نہیں رہتا......''۔

سنتوش یہ سب کچھ کہہ رہا تھا......۔

شالینی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ان کی شادی کو کئی ہفتے بیت چکے تھے اور اب تک سنتوش سے اس کی صرف

بحثیں ہوتی رہی تھیں۔ اس انتہائی نازک موضوع پر وہ اس قدر سنجیدہ گفتگو بھی کر سکتا تھا......؟

یہ باتیں تو سمیر نے بھی اسے نہیں بتائی تھیں حالانکہ وہ کون سا موضوع تھا جس پر ان کے درمیان باتیں نہ ہو چکی تھیں۔ اسے یاد آیا کہ کتابوں کی ایک دوکان پر اسے ''پلے بوائے'' نظر آ گیا تھا تو اس نے اسے خریدنے کی بہت ضد کی تھی لیکن سمیر نے اسے خریدنے نہیں دیا تھا۔

''پڑھنے اور جاننے میں کوئی برائی ہے کیا......؟''

وہ چڑ گئی تھی۔

''ہرگز نہیں، لیکن ہر لکھی اور چھپی ہوئی چیز پڑھنے کے لائق نہیں ہوتی......''۔

''میں تمہیں بچی نظر آتی ہوں......؟''

''بچی تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کے بوجھ کو شاید تم ابھی سنبھال نہیں سکو گی......''۔

''مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ بہت سی چیزوں کے مطالعہ سے انسانی ذہن پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے پختہ ذہن کا ہونا ضروری ہے......''۔

''میں پختہ ذہن کی نہیں......؟ بچی ہوں میں......؟''

''میں تمہیں پختہ ذہن کی ایک مکمل عورت کیوں سمجھوں......؟''

شالینی لاجواب ہو گئی۔

چہرے پر کئی رنگ تھے جنہیں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ کمرے میں یونہی گھوم رہی تھی۔ کسی کپڑے کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ لیتی، کبھی سلیقے سے تہہ کئے ہوئے کسی کپڑے کو الٹ پلٹ دیتی، پھر نئے سرے سے تہہ کرنے لگتی، کبھی کھڑکی کا ایک پٹ

زور سے کھول دیتی، کبھی بند کر دیتی......۔

سنتوش بظاہر ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا لیکن کنکھیوں سے وہ اس کی حرکتوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اسے لطف آ رہا تھا۔ دیر تک اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس نے کتاب بند کر کے بہ آواز بلند ایک جمائی لی اور اٹھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔ پھر بے چین روح کی طرح پھرتی ہوئی شالینی کو دبوچ لیا۔ شالینی کسمسا کر اس کی بانہوں سے نکل گئی اور دور جا کر عجیب نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی جس سے سنتوش کا وجود ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ اس نے دوڑ کر شالینی کو پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ ایک جھٹکے سے دور جا کھڑی ہوئی اور عجیب لہجے میں بولی—

''طبیعت تو اچھی ہے تمہاری......؟''

''طبیعت ہی تو اچھی نہیں ہے جان......''۔

''چین سے بیٹھو...... طبیعت اچھی نہیں تو باہر گھوم آؤ، تازہ ہوا لگے گی تو مزاج درست ہو جائے گا......''۔

''اتنی بے رحمی......''۔

سنتوش نے اس دفعہ شالینی کو دبوچ ہی لیا۔ اس کا احتجاج، مدافعت کی کوششیں سب بے کار گئیں۔ وہ اس کی مضبوط گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکی۔ سنتوش نے اسے بے حال کر کے، اس کے ایک ایک کپڑے نوچ دیئے۔ شالینی آخر آخر تک اس کا مقابلہ کرتی رہی لیکن سنتوش نے اسے چند ہی لمحوں میں پوری طرح قابو میں کر لیا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں شالینی کا سانولا، پرشباب اور خوبصورت جسم کسی شاہکار مجسمے کی طرح دکھ رہا تھا۔ چھونے، چومنے، سہلانے کی سبھی درمیانی منزلیں اس نے منٹوں میں طے کر لیں اور ایک ہی جست میں آخری منزل کو سر کرنے میں جٹ گیا۔ اس وقت اس کے سامنے اس کی بیوی نہیں تھی، شالینی کا خوبصورت جسم تھا، اس کے نشیب و فراز تھے، بھول بھلیاں تھیں

اوران میں چھپی زندگی کی خوشیاں تھیں۔

پتہ نہیں اس عالم میں کتناوقت گزر گیا۔

سنتوش منزل سر کر کے اٹھا تو شالینی کو اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ اپنے ننگے جسم پر ایک چادر ہی کھینچ لے۔ جسم سے زیادہ اس کا ذہن تار تار ہو رہا تھا جسے ڈھانپنے کی وہ بار بار ناکام کوشش کر رہی تھی۔

سمیر کا اس وقت دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس طرح تو وہ کبھی جاتا ہی نہیں تھا۔ وہ جب چاہتی اسے بلا لیتی، خاص خاص موقعوں پر تو سمیر کی اس کے پاس موجودگی بہت ضروری ہوتی۔

سنتوش اس کا شوہر تھا، اس کے ساتھ اس نے اگنی کے سات پھیرے لئے تھے، دیوتا اور سماج کے سامنے اسے اپنا پتی سویکار کیا تھا، دھرم، سماج اور ضمیر کی زنجیروں میں وہ اس طرح جکڑی ہوئی تھی کہ ہر لمحہ، ہر آن اس کا احساس اسے ستا تا رہتا، سمیر کے بغیر زندگی کا کوئی تصور اس کے پاس ابھی تک نہیں تھا لیکن سنتوش سے وہ غداری بھی کیسے کر سکتی تھی۔ وہ یوں بھی اسے سوچنے سمجھنے کا زیادہ موقع نہیں دیتا تھا۔ جو موقع بھی ملتا، وہ اپنی مدافعت ہی میں ضائع ہو جاتا۔

عجیب کشمکش میں پھنسی تھی وہ......

سنتوش کے سامنے اس کی ساری مدافعت دھری کی دھری رہ جاتی اور وہ چپ چاپ اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیتی۔ اس وقت اس کی نگاہوں اور تصور میں خلا ہی خلا ہوتا۔ دور دور تک پھیلا ہوا نیلا بے کراں آسمان، جس کے کسی کونے سے سمیر کا روشن چہرہ جھانکتا رہتا۔

سمیر کے بغیر وہ سنتوش کو ادھورا سمجھتی۔

ادھورا......

اور اپنے آپ کو......؟

''کچھ یاد بھی ہے، یہاں آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے، اب یہاں سے چلنا چاہئے......''۔

سنتوش نے ایک صبح اٹھتے ہی مژدہ سنایا۔

شالینی کو ایک دھچکا سا لگا۔ اس نے تو ابھی لمحوں کا حساب ہی نہیں کیا تھا۔

''جلدی کیا ہے، اطمینان سے چلیں گے......''۔

''جلدی تو ہے، اتنے دنوں میں بزنس کا کباڑا ہو گیا ہوگا......''۔

سنتوش کا لہجہ فکر سے پر تھا۔

''تو پھر یہاں آئے ہی کیوں......؟''

شالینی نے اٹھلا کر پوچھا۔

''محض تمہاری خاطر......تمہاری خوشی کے لئے......''۔

''اس میں تمہاری خوشی بالکل شامل نہیں تھی ۔؟''

شالینی کا انداز روٹھنے والا تھا۔

''اوہو......تم تو یار بس......دیکھو ڈارلنگ، بات یہ ہے کہ زندگی صرف خوابوں کے سہارے نہیں چل سکتی، بہت سی ایسی بے رحم حقیقتیں ہیں جن کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے نا......''۔

''مجھے کیا سکھا رہے ہو......میں نہیں جانتی کیا......؟''

''تو پھر کیا ارادے ہیں......؟''

''میں ان لمحات کو زیادہ سے زیادہ طویل اور توانا کرنا چاہتی ہوں تا کہ ان کے سہارے ہم بے رحم حقیقتوں کا آسانی سے سامنا کر سکیں......''۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے نا......''۔

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج ہی رخت سفر باندھ لیتے ہیں......''۔

سنتوش نے اس کے چہرے اور جملے کے اتار چڑھاؤ پر ایک لمحہ غور کیا، پھر کچھ سوچ

''اب اتنی جلدی تو ممکن نہیں، کل چلتے ہیں......''۔

——●——

اس روز کافی دیر ہو گئی تھی، رات بھیگ چکی تھی، سمیر کو بہت دور جانا ہوتا تھا لیکن بات چیت میں وہ ایسا محو ہوا کہ اسے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ شالینی کو اس کا دیر تک بیٹھنا اچھا تو لگ رہا تھا لیکن وقت کی تنگی کا احساس اسے ڈنک مار رہا تھا لیکن وہ سمیر سے کیسے کہہ سکتی تھی کہ......شوخ لہجے میں بولی——

''آج جانا نہیں ہے کیا......؟''

''نہیں......آج رہنے کا ارادہ ہے......''۔

سمیر بھی اسی لہجے میں بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن رہو گے کہاں......؟''

ہنس کر اس نے پوچھا۔

''تمہارے دل میں......''۔

''نا بابا......وہاں تو اب جگہ ہے نہیں......''۔

سمیر چپ ہو گیا۔ اس کا منہ لٹک گیا۔ شالینی نے انجان بنتے ہوئے دریافت کیا۔

''کیوں......کیا ہوا......؟''

''کچھ نہیں......بس میری حیثیت سامنے آگئی......''۔

''وہ کیسے بھائی......؟''

''جب تمہارے دل ہی میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں تو پھر میری حیثیت ہی کیا......؟''

''ابھی تو تم نے مجھے دہلا ہی دیا تھا......''۔

سمیر کے چہرے پر شادابی آ گئی۔

''اس میں دہلنے کی کون سی بات تھی......؟''

شالینی شاید سمیر کے منہ سے کچھ اور سننا چاہتی تھی۔

''اس کے بعد بھی زندہ رہنے کے لئے میرے پاس کچھ رہ جاتا کیا......؟''

''چلو مان لو کہ ایسی ہی بات ہے...... پھر......؟''

''اس کا نتیجہ تم ابھی دیکھنا پسند کرو گی یا اس کے لئے کوئی اور تاریخ مقرر ہو گی......؟''

''کیسا نتیجہ......؟''

''تم واقعی اتنی بھولی ہو شالینی......؟''

''تم کیا سمجھتے ہو......؟''

''بھولی تو ہو لیکن اتنی بھی نہیں......''۔

''ایک بات میں بہت دنوں سے کہنا چاہ رہی ہوں سمیر کہ ابھی تک ہم جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں، ابھی ہمیں زیادہ جذباتی ہر گز نہیں ہونا چاہئے......''۔

شالینی خاصی سنجیدہ تھی۔

سمیر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا——

''ہنسی ہنسی میں بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں بھی تم سے ایک بات کہنا چاہ رہا تھا کہ ہم خرید و فروخت کا کوئی کھیل نہیں کھیل رہے۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ کرتے رہیں گے، کوئی ضروری نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو حاصل بھی کر لیں۔ یہ تو ایک عبادت ہے جو ساری زندگی کیا، قیامت تک چلتی رہے گی......''۔

''سمجھ میں نہیں آتی تمہاری بات...... یا تو بہت ہی اونچی بات ہے یا......''۔

شالینی کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''سیدھی سی بات ہے...... سوچو کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں پا سکے تو کیا ہماری محبت میں کوئی کمی آجائے گی......؟ شاید اس میں اور شدت آجائے گی، کم از کم اپنی حد تک تو میں یہی کہہ سکتا ہوں۔

''اور میں اس لئے یہ بات نہیں کہہ سکتی کہ میرے لئے یہ سب کچھ سوچنا بھی محال ہے......''۔

''شاید...... میں تصورات اور خیالات سے فوراً اُتر کر سنگلاخ زمین پر آجاتا ہوں۔ اس لئے میری باتوں میں کچھ تلخی سی آجاتی ہے......''۔

''سمیر، تمہیں پتہ ہے کہ رات کتنی ہوگئی ہے......؟''

شالینی نے اکتا کر بات بدلنے کی کوشش کی۔

''تم وقت کو کیوں پکڑے رہتی ہو، تمہارے سامنے میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ تمہارے سامنے یونہی بیٹھے بیٹھے میں تو ساری زندگی گزار سکتا ہوں......''۔

''کبھی حقیقت پسند بننے لگتے ہو اور کبھی اتنے رومانٹک کہ یقین ہی نہیں آتا......''۔

''رومانس کے بغیر زندگی ایک ایسی دال ہے جس میں نمک نہیں ہوتا۔ میں تمہارے پاس ہوتا ہوں تو گویا وقت اپنی چال بھول جاتا ہے۔ ساری دنیا، ساری فضا، تمام آب و ہوا اپنی جگہ پر تھم گئے ہیں اور......''۔

''یہ سب تم نے ضرور کسی نئی فلم سے سیکھی ہیں......''۔

''میں نے فلمیں دیکھنا چھوڑ دیں شالینی...... کیوں......؟''

''میں کیا جانوں......؟''

''اتنی دیر میں فلم دیکھوں، تمہارے ساتھ کیوں نہ بیٹھوں......؟''

''اچھا مجنوں صاحب، اب آپ واقعی تشریف لے جایئے، رات گہری ہوگئی ہے اور آپ کے لٹ جانے کا خطرہ ہے......''۔

''جو اپنی دنیا خود ہی لٹا کر جا رہا ہو، اسے اب کسی سے کیا خطرہ......؟''

”سمیر، اب ہم کل ملنے بیٹھنے کا وقت مقرر کر لیں......؟“

”شالینی، تم مجھے بھگانا چاہتی ہو......؟“

”میں تمہیں صرف آگاہ کر رہی ہوں کہ اب تمہارا زیادہ دیر تک ٹھہرنا مناسب نہیں ہوگا......“۔

سمیر نے اٹھ کر اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ شالینی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ سمیر نے اچانک اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پھنسا دیں، زور سے دبایا، بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔ یہ سب کچھ بالکل اچانک ہوا۔

شالینی اس وقت تک دروازے پر کھڑی رہی جب تک اس کی جھلک دکھائی دیتی رہی۔

—●—

سمندر کا کنارا، دور دور تک شفاف، پرسکون، نیلگوں پانی......کون جانتا ہے کہ اس سکون کے نیچے کون سی اور کتنی لہریں چل رہی ہیں اور وہاں کون سی دنیا آباد ہے۔

سنتوش نے یہاں آنے کا پروگرام بنایا تو شالینی فوراً تیار ہو گئی۔ یوں سکون کا متلاشی سنتوش تھا، شالینی کو تو ہنگامہ، شور شرابہ اور ہماہمی پسند تھی۔ وہ انہیں چیزوں میں سکون پاتی تھی۔ سنتوش کو جب بھی سکون کی تلاش ہوتی وہ گھنے جنگلوں، پہاڑی مرغ زاروں اور اونچی چوٹیوں پر جا نکلتا۔ سمندر کا کنارا بھی اس کی ایک جائے پناہ تھی جس میں اس نے شالینی کو بھی مدعو کر لیا تھا اور شالینی نے بھی اس کی دعوت اس لئے قبول کر لی تھی کہ اسے سمندر کا شور، اس کے نیچے چلنے والی لہریں اور اس کے اندر چھپی ہوئی پراسرار دنیا کے ہنگامے بہت پسند تھے۔

وہ دونوں دیر تک کنارے پر کھڑے اپنی اپنی زبان میں سمندر کو پڑھنے کی کوشش

کرتے رہے۔ وہ بار بار انہیں اپنی طرف بلاتا اور ان کے قدموں سے لپٹتا رہا۔ آخر وہ جیسے اس کے سامنے پسپا ہو گئے۔ سنتوش نے اپنے پینٹ کو ٹخنے تک چڑھا لیا اور شالینی اپنی شلوار کو وہاں تک لے گئی جہاں تک اس کے صحت مند پنڈلیوں نے اس کی اجازت دی اور کپڑے کو ایک خاص اور فیصلہ کن مقام پر روک دیا۔ اس نے سنتوش کا سہارا لے کر سمندر کے پانیوں میں اپنا قدم رکھا تو جیسے جل ترنگ سے بج اٹھے، سنتوش نے پانی کے اندر اتنے خوبصورت زندہ سیپ نہیں دیکھے تھے۔ اس نے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

''تمہارے پیر اتنے خوبصورت ہیں شالینی......؟''

رشک کے عالم میں اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

شالینی نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ منہ سے کچھ بولی نہیں، لیکن اس کے جسم کے اندر جو ایک ارتعاش سا پیدا ہوا، اسے اس کے سوا اور کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

''تم تو بہت سی چیزیں چھپا کے بیٹھی ہو بھائی......''۔

سنتوش کے انداز میں وہی سرشاری تھی۔

''تمہیں اپنے ہی خزانے کی کوئی خبر نہیں......''۔

شالینی معنی خیز انداز میں بولی۔

''خبر تو ہے، لیکن ابھی سب چیزوں کو ایک دم کہاں دیکھا ہے میں نے......''۔

سنتوش نے بظاہر سادگی سے کہا لیکن اس کے لہجے میں شرارت کی جو کرنٹ تھی، وہ شالینی تک پہنچ گئی۔ وہ قدرے جھینپ کر بولی۔۔۔

''قصور کس کا ہے......؟''

''میری ہمت کا......''۔

''تو پھر شکایت کیسی......؟''

سنتوش کچھ بولا تو نہیں لیکن اس نے ایسی نگاہوں سے شالینی کو دیکھا کہ شالینی کے چہرے پر خواہ مخواہ سنجیدگی سی دوڑ گئی۔ ایک خاص قسم کی خاموشی دونوں کے لبوں پر کنڈلی مار

کر بیٹھ گئی۔

وہ آہستہ آہستہ پانی میں گھستے گئے۔ یہاں تک کہ سمندر ان کے کپڑوں سے اٹکھیلیاں کرنے لگا۔ سنتوش رک رک کر شالینی کے پیروں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ پانی کا ریلہ بڑھنے لگا تو وہ رک گئے۔ سنتوش بولا ــــ

''اس وقت میرے دل میں اچانک ایک ساتھ دو خواہشیں مچل اٹھی ہیں......''۔

''بتاؤ......''۔

شالینی نے بہت اشتیاق سے پوچھا۔

''سمندر کا پانی ٹھہر جائے اور تمہاری شلوار...... کچھ اور اوپر اٹھ جائے......''۔

شالینی شرما گئی۔ پھر دھیرے سے بولی ــــ

''لیکن ان میں پوری تو ایک ہی ہو سکتی ہے نا......''۔

''اس کا فیصلہ میں تم پر چھوڑتا ہوں......''۔

''تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ ہم یہیں ٹھہرے رہیں......''۔

شالینی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''بچ گئیں تم......''۔

سنتوش نے شرارت سے مسکرایا۔

''نہیں تو...... میں نے تو اپنے آپ کو نہیں بچایا......''۔

شالینی سنجیدگی سے بولی۔

''میں جانتا ہوں نا...... تم جہاں اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہو، آسانی سے بچا لیتی ہو۔ کہو تو میں تسلسل سے بتا دوں، میرے پاس تمہارا پورا حساب ہے......''۔

شالینی سنتوش کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں کچھ پڑھنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

''شاید تم صحیح کہہ رہے ہو۔ ہر آدمی کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے۔ اس کی ان گنت

پرتیں ہوتی ہیں، یہ ساری پرتیں دوسرے کے سامنے کھل جائیں تو پھر اس کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے......؟ اپنی پہچان کے لئے اپنا راز دار ہونا بھی ضروری ہے۔ میں غلط کہہ رہی ہوں کیا؟''

سنتوش غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا، شالینی کی بات ختم ہونے پر وہ ایک خاص انداز سے مسکرایا اور بولا—

''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم انسانی رشتوں کی آفاقیت کو تسلیم کرتی ہو۔ مکمل surrender کا تو میں بھی قائل نہیں ہوں لیکن محبت میں ایک مقام ایسا ضرور آ جاتا ہے جب من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اس کے باوجود شخصیت کی کچھ تہیں اپنی جگہ برقرار رہتی ہیں......''۔

''سنتوش تم کتنے اچھے ہو، کتنے گریٹ......''۔

شالینی وفورِ جذبات سے پانی کے اندر ہی سنتوش سے لپٹ گئی۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ لیکن اس لڑکھڑاہٹ میں انہیں اس قدر مزا آیا کہ دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

لوٹتے لوٹتے سمندر کچھ اور خوبصورت ہو گیا تھا۔ جہاں پانی کی سرحد تھی، وہاں نم بالوؤں کی چمک سے ساری فضا سنہری سی ہو رہی تھی۔ اسی وقت شالینی کو کچھ سیپیاں دکھائی دے گئیں۔ وہ دوڑ کر انہیں چننے لگی۔ سنتوش دلچسپی سے اس کے انہماک کو دیکھتا رہا۔ شالینی بہت ساری سیپیاں اپنے دامن میں بھر لائی اور خوش خوش سنتوش کو دکھانے لگی۔

سنتوش محض اس کی دل جوئی کے لئے ایک ایک سیپی کو اٹھا کے دیکھتا رہا۔ سارا عمل منٹوں میں پورا ہو گیا۔ شالینی بولی—

''ایک بات کہوں......؟''

''سو باتیں کہو......''۔

''میرے پاس ان سیپیوں کی طرح بہت سی باتیں جمع ہیں، تم نے کبھی انہیں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی......''۔

''ایسی باتیں مہمل ہوں گی یا پھر عقل سے بعید......''۔

سنتوش پھر مسکرایا۔

''اس وقت میں ایسی ہی ایک بات کہنے جارہی ہوں جو تمہیں یقیناً مہمل لگے گی یا عقل سے بعید......''۔

''مجھ سے کیا چاہتی ہو......؟''

''میں چاہتی ہوں تم میری بات مان لو......''۔

''صحیح اور غلط کا فرق تمہیں بتائے بغیر......''۔

''کیا زندگی صرف منطق اور عقل ہی کے سہارے گزاری جاسکتی ہے......؟''

شالینی کے ماتھے پر خوبصورت بل پڑ گئے تھے۔

''نہیں...... بہت ساری چیزیں ہیں لیکن سب کا تعلق کسی نہ کسی طرح عقل سے ضرور ہوتا ہے......''۔

''کیا تم عقل اور حقیقت سے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتے......؟''

''سوچ سکتا ہوں لیکن کیوں سوچوں، جن باتوں کا کوئی سر پیر نہیں ان کے بارے میں کیوں سوچوں......؟''

''تم نے کبھی خوابوں کی دنیا کی سیر کی ہے کیا......؟''

شالینی نے عجیب انداز میں پوچھا۔ سنتوش نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ شالینی کے چہرے پر جو ایک ہلکی سی سرخی آ گئی تھی، وہ اسے بہت اچھی لگی۔ اس نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا—

''ان کے بارے میں سنا ضرور ہے، کبھی کبھی سوچا بھی، جانے کا ارادہ کبھی نہیں کیا......''۔

''لیکن میں تو پوری کی پوری اسی دنیا کی بنی ہوئی ہوں......''۔

شالینی نے جیسے انکشاف کیا۔

''تو پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اب اس دنیا میں آ گئی ہو تو یہیں کی ہو کے رہو......''۔

''تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر، لیکن میں صرف لوہے اور پتھر کی دنیا میں نہیں رہ سکتی......''۔

''تمہاری مرضی......''۔

سنتوش کے لہجے میں خاصی لاپروائی تھی۔

—●—

یہی سمندر تھا، پانی کا یہی رنگ تھا، بار بار پیروں سے لپٹنے کی اس کی ادا یہی تھی، فضا یہ نہیں تھی، کوئی دوسری ہی تھی۔ کون سی فضا تھی، اسے کیا نام دیا جا سکتا تھا......؟'

چاند کی ٹھنڈی لہریں چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ وہ......شالینی اور سمیر...... دونوں بہت دھیمے لہجے میں باتیں کر رہے تھے، باتیں کیا کر رہے تھے موسیقی کی دھیمی لہریں انہیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھیں۔ وہ خاموش رہتے پھر بھی ان کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ بنا رہتا۔

جس چٹان پر وہ بیٹھے تھے، اس چٹان کو سمندر کی لہریں بار بار چوم کر اور سرشار ہو کر چلی جاتیں۔ وہ وہاں پر بیٹھے شفاف پانی کی سرگوشیاں اور ہنسی سن سکتے تھے۔ ان سرگوشیوں اور ہنسی کے درمیان شالینی بولی—

''چلو سمیر......سیپیاں چنیں......''۔

''چلو......''۔

سمیر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں سیپیاں چننے لگے۔ دیکھتے دیکھتے دونوں میں سیپیاں چننے کا جیسے مقابلہ شروع ہو گیا۔ سمیر نے اپنے رومال کی ایک چھوٹی تھیلی سی بنا لی، یہی کام

شالینی نے اپنے دوپٹے سے لیا۔ دونوں کے ہاتھ، ذہن، آنکھیں، الفت، اپنائیت، محبت اور خلوص بہت تیزی سے کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں تھک گئے اور نم بالوؤں پر جا کر لیٹ گئے۔ جب ان کی ہنسی تھمی اور تھکاوٹ بھی کچھ دور ہوئی تو دونوں اپنی اپنی تھیلیاں کھول کر سیپ گننے لگے۔ شالینی کے حصے کی سیپیاں زیادہ نکلیں، وہ خوش ہو کر تالیاں بجانے لگی۔

''تم ہار گئے...... سمیر تم ہار گئے، میں جیت گئی''۔

''ہاں بھئی، تم جیت گئیں، میں ہار گیا۔ تمہاری جیت تمہیں مبارک ہو، لیکن اس خوشی میں کچھ ہونا چاہئے نا......''۔

''آپ کو سزا ملنی چاہئے...... مٹھائی کھانے کی آس تو آپ اٹھا رکھئے......''۔

''میں سزا کے لئے حاضر ہوں، جو مزاج یار میں آئے......''۔

''تمہیں روز سیپیاں مجھے لا کر دینی ہوں گی......''۔

''اتنی حسین سزا کے لئے تو میری پوری زندگی حاضر ہے......''۔

سچ مچ سمیر ہنستے کھیلتے اس سزا کو جھیل گیا۔ وہ جب بھی شالینی کے پاس آتا، کچھ سیپیاں اس کے پاس ضرور ہوتیں۔ شالینی بھی اس سے یوں سیپیاں وصول کرتی جیسے تاوان وصول کر رہی ہو۔ لیکن سمیر نے تو اس سزا کو عمر قید میں تبدیل کر لیا۔ کیا آندھی، کیا بارش، کیا طوفان، اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ جب بھی آتا، سیپیاں لازماً اس کی جیب میں ہوتیں۔ شالینی اپنی دی ہوئی سزا سے خود ہی عاجز آ گئی۔

''تم نے بھی کھیل کھیل کی بات کو اتنی سنجیدگی سے لے لیا۔ جانتی تو کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالتی......''۔

''تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں سزا بھگت رہا ہوں، ارے یہ سزا تو مجھے دل و جان سے پیاری ہے......''۔

''تم موسم کی پروا بھی تو نہیں کرتے، سیپیاں چننے میں تمہیں کتنی تکلیف ہوتی ہو گی......''۔

''مجھے اس میں جو لطف آتا ہے، اس سے صرف میں واقف ہوں۔ میں تمہیں اس وقت کے ایک ایک لمحے کی خوشیوں بھری کھنک سنا سکتا ہوں جب میں تمہارے پاس آنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ مجھے دھوپ لگتی ہے نہ بارش اور نہ طوفان میرے قدم روکتے ہیں۔ اس وقت میں اپنے آپ میں نہیں ہوتا، شاید کوئی دوسری ہی شخصیت ہوتی ہے جس پر تمہارا سحر چھایا ہوتا ہے اور......''۔

''بس کرو سمیر، تم بالکل پاگل ہو گئے ہو......''۔

''دیوانہ...... تمہارا دیوانہ...... زندگی کا اس سے اچھا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے......''۔

''سمیر، ایک بات کہوں، مانو گے......؟''

''کبھی نہیں مانا ہے کیا......؟''

''تو تم اب سیپیاں لانا چھوڑ دو......''۔

''کیا کہہ رہی ہو تم......؟ اس طرح تو تم مجھے ایک بہت بڑی خوشی سے محروم کر رہی ہو، میرے مقصد سے بھٹکا رہی ہو تم......''۔

''زیادہ جذباتی بننے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے کہ سیپیاں چننا اور جمع کرنا مجھے بہت پسند ہے، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں تمہاری جان لے لوں......؟''

''یہ میری خوشی ہے شالینی، تم اسے محض میری خوشی کے لئے رہنے دو......''۔

''لیکن میرے پاس اتنی سیپیاں جمع ہو گئی ہیں کہ اب انہیں رکھنے کی بھی جگہ میرے پاس نہیں......''۔

''تم انہیں بے شک پھینک ڈالو، لیکن اپنے ہاتھوں سے قبول ضرور کرتی رہنا۔ اس سے مجھے جو آنند ملتا ہے، اس سے تو محروم مت کرو......''۔

''اس کا تو میرے پاس کوئی جواب ہی نہیں......''۔

شالینی بے بس ہو گئی۔

سمیر اس کے لئے سیپیاں لاتا رہا۔

سنتوش کو فطری مناظر، جنگل، پہاڑ، جھرنے، مرغ زاروں سے بہت دلچسپی تھی۔
لیکن اس کی رگوں میں ایک تاجر خون بھی بہہ رہا تھا۔ اصل بزنس میں اس کے والد تھے لیکن
اکلوتی اولاد ہونے کے سبب اس نے اپنے بزنس کو یوں سنبھالا تھا کہ اس میں دن دونی رات
چوگنی ترقی ہی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھتا تو بزنس کے علاوہ اور کوئی بات نہ کرتا۔
اس وقت وہ سراپا بزنس مین ہوتا لیکن جب وہی سنتوش اپنی پسند کی، سکون کی جگہ پر آرام
سے بیٹھا ہوتا، اس وقت اس کی شخصیت بالکل مختلف ہوتی۔ وہ اپنی شخصیت کے دونوں
پہلوؤں کو الگ الگ رکھنے کا گر بھی جانتا تھا۔ اس کے اندر کھلنڈراپن، بزنس مین حاوی
ہونے کی کبھی کوشش نہیں کرتا تھا اور بزنس مین ایک کھلنڈرے آدمی کی ذاتی زندگی میں دخل
دینے کی کبھی سعی نہیں کرتا۔

شادی کے کئی مہینوں بعد بھی شالینی اس کی شخصیت کے یہ دونوں رخ کو پہچان نہیں
سکی تھی۔ شاید وہ لاشعوری طور پر کسی تیسرے رخ کو دیکھنے کی متلاشی تھی۔ اسے سنتوش کے
ساتھ کوئی تکلیف نہیں تھی، مادی ضروریات کی سبھی چیزیں گھر میں موجود تھیں، سنتوش اس کی
پسند کی بہت سی کہی اَن کہی چیزیں خریدنے میں خاصی فراخ دلی دکھاتا، اس کا دیبز پرس
ہمیشہ اس کے پاس ہوتا، اس پر کسی دوسرے کا اختیار اسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا۔ شالینی
کا بھی نہیں۔

شالینی کی شادی ایک امیر خاندان میں ہوئی تھی۔ دوست، ہمدردوں، رشتہ داروں
اور ہم جولیوں نے اس کی قسمت پر رشک کیا۔ کہا گیا کہ وہ سونے چاندی میں کھیلے گی۔ یہ
بات اس کے ذہن میں بھی بیٹھ چکی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ واقعی سونے چاندی میں کھیل
رہی تھی۔ لیکن فوراً ہی پتہ چلا کہ اس کھیل کے اپنے اصول وضوابط تھے، مقامات تھے، سطحیں

تھیں، وہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے نہیں کھیل سکتی تھی۔ شالینی انتظار کرتی رہی، اس نے دیکھا کہ جال جو پہلے سے تنگ تھا، کستا ہی جا رہا ہے، تو اس کے اندر کی بیوی اچانک جاگ اٹھی۔

''سنتوش یار، تم ہو پکے بزنس مین......''۔

''ویسے تو میں تربیت یافتہ بزنس مین ہوں لیکن آپ کو سرٹیفکیٹ دینے کی ضرورت کیوں آپڑی، یہ میں جان سکتا ہوں کیا......؟''

''وہ یوں کہ تمہاری بند مٹھی میں کبھی کھجلی نہیں ہوتی......''۔

سنتوش ہنس پڑا۔

''صاف صاف بتاؤ یار، تم چاہتی کیا ہو......؟''

''مجھے ایسا لگتا ہے سنتوش کہ میں تمہاری بیوی نہیں تمہاری ملکیت ہوں، دوسری بہت سی چیزوں کی طرح......''۔

''مثلاً......؟''

سنتوش نے بہت دلچسپی سے دریافت کیا۔

''مثلاً تمہاری کوٹھی، تمہاری کار، تمہارا بینک بیلنس، تمہارا بزنس......''۔

''ترتیب میں تم سے غلطی ہوگئی ہے۔ سرفہرست تمہارا نام ہے اور رہے گا......''۔

سنتوش نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔

''تمہارے کہنے پر میں مان لیتی ہوں، لیکن اس سے فرق کیا پڑے گا، بس یہی نا کہ تم نے تسلیم کرلیا کہ اس خوشنما فہرست میں پہلا نام میرا ہے......''۔

''شالینی، بھگوان کے لئے تم غلط نہ سمجھنا۔ یہ بات میں کسی Male chanvinism کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ عورت لاکھ آزاد ہو جائے، اپنی آزادی کا جشن منا لے، لیکن رہتی ہے وہ ہمیشہ مرد کی دست نگر...... بنیادی طور پر وہ مرد کی بہت سی فتوحات میں سے ایک ہے......''۔

''تمہارے انکار کے باوجود تمہارے لہجے سے Male chanvinism کی بو آ رہی ہے......''۔

''میں اپنی بات پر اب بھی قائم ہوں اور بار بار انکار کروں گا۔ بات یہ ہے کہ کچھ عقل مندوں نے عورت کو خوشنما لفظوں کے جال میں اس قدر جکڑ دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگی ہے جب کہ ہے وہ وہی ہزاروں برس پرانی مرد کی غلام......''۔

سنتوش بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ شالینی اسے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ان میں حیرت، غصہ، بے چارگی اور تمسخر کی لہریں لرز رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ پر قابو پا کے دھیرے سے بولی—

''باتیں اچھی کر لیتے ہو، لیکن تمہاری باتیں دلیلوں سے خالی ہیں، باوزن دلیلوں سے......''۔

''میں اس طرف آ رہا ہوں بھائی...... عورت اپنے آپ کو آزاد کہتی ہے...... کیسی آزادی......؟ مرد کے بغیر اس کی حیثیت کیا ہے......؟ اس کے بچے کو کسی مرد کا نام چاہئے ہوتا ہے، اگر وہ رسوم کو توڑ کے اپنے طور پر اپنا بچہ دنیا میں لے آتی ہے تو اس بچے کو کوئی مقام نہیں ملتا، قدم قدم پر اسے اور اس کے بچے کو باپ کے نام کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سب کیا ہے......؟ میری جان اپنے قدم زمین پر رکھو، عورت بنیادی طور پر قدرت کی ایک کمزور تخلیق ہے، وہ مرد کے تعاون سے ہی طاقت حاصل کرتی ہے......''۔

''تم نے کوئی نئی بات تو نہیں کہی۔ دنیا کے وہ تمام مرد یہی باتیں کرتے رہے ہیں جو عورت کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتے ہیں، جو عورت کو ہمیشہ غلام کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، جو عورت کو......''۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ڈارلنگ...... میں یا کوئی مرد ایسا کچھ نہیں چاہتا۔ عورت اور مرد کا ایک قدرتی اور فطری رشتہ ہوتا ہے جس میں ایک حصہ دار مضبوط ہے، جو کمزور ہے وہ مضبوط سے توانائی حاصل کرتا ہے، کوئی صاف صاف کہے تو برا نہیں ماننا چاہئے......''۔

''تم نے اس قدر الجھا دیا کہ میں اصلی بات کہنا ہی بھول گئی......''۔

''میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔تم نے میری مٹھی کا ذکر کیا تھا جس میں شاید کبھی کوئی کھجلی نہیں اٹھتی......''۔

''میں کہہ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہے کہ میں ہر چیز سے کٹی کٹی سی ہوں، کسی چیز پر میرا کوئی اختیار نہیں، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ......''۔

سنتوش نے پھر قہقہہ لگایا جس سے اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔

''زیادہ سوچنے بلکہ غلط سوچنے سے یہی ہوتا ہے۔میں بھی اگر تمہاری راہ پر سوچنے لگوں نا تو میں بھی سب چیزوں سے کٹ جاؤں......''۔

''تمہاری بات اور ہے...... یہ سب چیزیں تمہاری اپنی ہیں، اس لئے تم سوچ کی اس راہ پر جا ہی نہیں سکتے......''۔

''تم چاہو تو میں تمہارا علیحدہ اکاؤنٹ کھول دوں......؟''

سنتوش اچانک پوچھ بیٹھا۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے کسی قسم کی کمی تو نہیں، میں بہت خوش ہوں......''۔

شالینی منہ بچکا کر بولی۔

''ایک بات یاد رکھنا شالینی...... پرس میں رکھا ہوا پیسہ انسان کو بہت خوشی نہیں دیتا۔یہ محض ضرورت ہے اور ضرورت کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں......''۔

سنتوش پتہ نہیں کیا سوچ کر بہت سنجیدگی سے بولا۔شالینی خاموش رہی۔

—●—
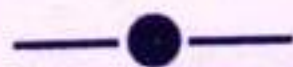
سمیر سب کی موجودگی میں آتا تو دونوں محض رسمی قسم کی باتیں کرتے رہتے، آنکھوں آنکھوں میں طویل سرگوشیاں ہوتی رہتیں، دونوں اس تاک میں رہتے کہ چند لمحے تنہائی کے

نصیب ہو جائیں۔ لیکن تنہائی کا دونوں کو فائدہ بھی کیا ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہی کہ سمیر، شالینی کا کومل ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتا رہتا، موقع مصلحت دیکھ کر کبھی کبھی چوم لیتا، شالینی اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ دیتی، اتنی ہی قربت دونوں کے لئے بہت تھی۔ اس قربت سے انہیں کیا حاصل ہوتا، ان سے زیادہ شاید اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ اشاروں، لمس اور آنکھوں سے انہوں نے کیا کام لئے تھے، یہ کچھ وہی جانتے تھے۔

تنہائی کے ایک قیمتی لمحے میں سمیر نے اچانک اپنی جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر شالینی کے قدموں میں رکھ دیا۔ شالینی نے چونک کر اپنے پیر پیچھے ہٹا لئے۔

''ارے......ارے......یہ کیا......؟''

''بھینٹ......دیوی کے قدموں میں بھینٹ......''۔

شالینی نے سمیر کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے اس کے دماغ پر شبہ ہو رہا ہو۔

''کیا دیکھ رہے ہو اس طرح......؟ بھینٹ کو قبول کر لو......''۔

''سمیر کہیں تم پاگل تو نہیں ہو رہے......؟''

شالینی نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

''اگر واقعی ہو گیا تو یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو گا......''۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے......؟''

وہ بے بسی سے بولی۔

''محبت......''۔

سمیر لاپروائی سے بولا۔

''کیا محبت میں ہوش و حواس کھو دینا چاہئے......؟''

''یہ تو اپنے اپنے ظرف پر منحصر ہے......''۔

''مجھ پر طنز کر رہے ہو کیا......؟''

''بالکل نہیں......اور یہ بھی سن لو کہ میں تم سے جس سطح کی محبت کرتا ہوں، اس سطح

کی تم سے توقع نہیں کرتا...... تم تو میری دیوی ہونا......؟''

''یعنی پتھر کی بے جان مورت......''۔

''نہیں...... گوشت پوست کی جیتی جاگتی مورت......''۔

''لیکن جیتی جاگتی مورت پر چڑھاوا تو نہیں چڑھتا......''۔

''چڑھاوا نہیں، نذرانہ، پھر یہ تو اپنے اپنے عقیدے کی بات ہے......''۔

''سمیر تم مجھے ایک نارمل انسان کیوں نہیں رہنے دیتے......؟''

شالینی جیسے ہار مان کر بولی۔

''شالینی، پتہ نہیں کیوں تم مجھے عام انسانوں سے بالکل مختلف دکھائی دیتی ہو......''۔

''خطرناک بات ہے...... اس کو تو شاید پاگل پن کہتے ہیں......''۔

''میں تو چاہتا ہوں میں اتنا پاگل ہو جاؤں کہ صرف تم نہیں، دنیا مجھے پاگل کہنے لگے......''۔

''تو تم مجھے بدنام کر کے چھوڑو گے......؟''

''ڈرتی کیوں ہو......؟ لیلیٰ اتنا ڈرتی تو آج بچہ بچہ کی زبان پر اس کا نام نہ ہوتا......''۔

''نہ میں لیلیٰ ہوں نہ تم مجنوں ہو...... ہم اکیسویں صدی کے لوگ ہیں۔ ہم عام آدمیوں کی طرح محبت کرتے ہیں اور عام آدمی ہی کی طرح رہنا چاہتے ہیں......''۔

''نا...... ہم عام آدمی نہیں نہ ہماری محبت کوئی عام چیز ہے......''۔

''تو پھر کیا ہے......؟''

''ہماری محبت زمین سے اوپر کی کوئی چیز ہے......''۔

''اسی لئے تمہیں دیوی دیوتاؤں کی شبیہ نظر آنے لگی ہے اپنی محبت میں......''۔

''شاید......''۔

''سمیر، ہوش میں آجاؤ، اپنے ساتھ ساتھ بھگوان کے لئے مجھے تو پاگل نہ بناؤ، میں

دیوی نہیں بننا چاہتی، مجھے انسان ہی رہنے دو......''۔

''تم رہونا......میری بات اور ہے، میں نے تو محبت کی ہے......''۔

''یہ تو بات کا دوسرا رخ ہی ہو گیا۔ میں تو انسان کی طرح رہنا چاہتی ہوں اور تم سے بھی یہی توقع رکھتی ہوں اور بس......''۔

''میرا اپنے آپ پر کوئی بس نہیں ہے نا، تم میری نگاہوں میں کیا ہو، میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا......''۔

''اچھا یہ بتاؤ، روپے کی بھینٹ کا تمہیں خیال کیسے آیا......؟''

''مجھے محسوس ہوا میری زندگی، میرے جذبات، میرے تصورات، میرے خوابوں کی جب تم برابر کی حصہ دار ہو تو میری اس چھوٹی سی کمائی میں تم الگ کیوں رہو......؟''

''لیکن سمیر، تم پیسوں کے لئے اس قدر محنت کرتے ہو، تمہیں پیسوں کی ضرورت بھی ہے، تمہیں پیسے یوں برباد نہیں کرنے چاہئیں......''۔

''یہ میری خوشی ہے شالینی......پیسوں سے انسان اپنے لئے خوشیاں خریدتا ہے نا، میں نے بھی اتنے تھوڑے پیسوں سے اپنے لئے بے پناہ خوشیاں خریدی ہیں۔ بھگوان کے لئے تم مجھے ان خوشیوں سے محروم تو نہ کرو......''۔

''ایک شرط کے ساتھ......''۔

''وہ کیا......؟''

''آئندہ تم پیسوں کو یوں برباد نہ کرو گے......''۔

''مجھے یہ شرط منظور نہیں......''۔

''اوہ سمیر، میں تمہیں کیا کہوں، سمجھ میں نہیں آتا......''۔

شالینی زچ ہو کر بولی۔

''دیوانہ......''۔

سمیر مسکرا کر بولا۔

سمیر کون تھا......؟

وہ اس کے بھائی کمار کا دوست تھا۔ بچپن ہی سے اس کے گھر آتا جاتا، بہت بھلا اور ہنس مکھ سا لڑکا، وہ تو اسے کمار ہی کی طرح سمجھتی حالانکہ وہ کمار کیسے ہو سکتا تھا، کمار تو اس کا سگا بھائی تھا، اس کا اپنا خون۔ سمیر سے اس کا کیا سمبندھ ہو سکتا تھا، صرف ایک ہی اور آگے جا کر یہی ہوا بھی۔ سمیر کمار سے ملنے آتا تو اس سے ملنا اس کے لئے ضروری نہیں تھا، وہ کمار کے کمرے میں چلا جاتا۔ کمار گھر پر نہ ہوتا تو اس سے کہلوا دیا جاتا۔ کبھی کبھی ماں اسے اندر بلوا لیتیں، چائے یا کھانے پینے کی دوسری چیزیں لے کر وہ جاتی تو اس سے دو چار باتیں ہو جاتیں، رسمی سی......۔

کیا پڑھ رہی ہو......؟

امتحان کب ہے......؟

تیاری کیسی ہے......؟

پچھلے امتحان میں کتنے نمبر آئے تھے......؟

وغیرہ وغیرہ......۔

اس کے بولنے چالنے کے انداز، اس کی آنکھوں کی تحریریں ایسی تھیں کہ وہ اس کے اندر اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ اس کی شخصیت میں جو سحر تھا وہ تو تھا ہی، اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا۔ بہت دنوں تک اسے اس کے ایک ایک انداز اُسے یاد دلاتے رہتے اور اس کا چین سکون لوٹ لے جاتے۔ اس کا جی چاہتا سمیر روز آئے، کمار گھر پر نہ رہے، ماں اسے اندر بلواتی رہیں اور وہ اس سے باتیں کرتا رہے، حالانکہ اس کی گفتگو دو چار جملوں میں ہی ختم ہو جاتی۔ لیکن اس سے ہم کلامی کا جو ایک کمزور سا رشتہ بن گیا تھا، وہ اس کے لئے بہت تھا اور وہ بہت دنوں تک اس سے سرشار رہتی، اس کے ساتھ ہی جو خلش حاصل ہوتی وہ اس کو ایک پل چین نہیں لینے دیتی۔ کبھی کبھی اس کو اپنی حالت پر شرم بھی آتی۔ وہ اس کے بھائی کا دوست ہے، اس سے اس کا کیا رشتہ ہونا چاہئے،

کوئی سنے تو کیا کہے؟ کبھی محسوس ہوتا دل کی چوری پکڑ لی گئی ہے، در و دیوار نے اندر جذبات کے پردوں پر ساری تحریریں پڑھ لی ہیں اور اب نہ جانے کیا ہو......؟

سمیر سے چند رسمی باتوں کے علاوہ اور کوئی بات ہوتی بھی نہیں تھی۔ اس کے دل کے حال سے وہ بالکل واقف نہیں تھی۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا ساری بے چینی اور تڑپ کہیں یک طرفہ تو نہیں، یہ آگ اسے جلا کر کہیں راکھ ہی نہ کر دے......اب کیسے کیا ہوا یہ تو وہ نہیں جانتی لیکن بھگوان نے اس کی خاموش دعاؤں کو سن لیا اور گھر میں اچانک اس کے پڑھنے کا چرچہ ہونے لگا۔ وہ بی اے کا امتحان دینے والی تھی، گھریلو مصروفیت کے سبب یوں بھی کوئی خاص پڑھائی ہوتی نہ تھی، اسے ٹیوشن کی سخت ضرورت تھی اور ٹیوشن سمیر کی آمدنی کا واحد ذریعہ تھا۔ اِسی کے سہارے وہ شہر میں ٹکا ہوا تھا۔ پتا جی نے کمار بھیا سے اس کے لئے کسی ٹیوٹر کے لئے کہا تو انہوں نے فوراً سمیر کا نام سجھا دیا۔ تیر نشانے پر جا لگا۔ سمیر گویا گھر ہی کا لڑکا تھا، اس سے بہتر ٹیوٹر اسے کہاں ملتا۔ لیکن سمیر نے ایک مصیبت کھڑی کر دی۔ اس نے پیسے کی بات کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس گھر کو وہ اپنا گھر سمجھتا ہے، یہاں سے وہ پیسوں کا رشتہ رکھ ہی نہیں سکتا۔ پتا جی خوددار آدمی تھے، کوئی اور ہوتا تو وہ ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ انہوں نے زندگی بھر کسی کا احسان نہیں لیا، بال بچوں کو بھی یہی تعلیم دی۔ لیکن سمیر کے سامنے وہ مجبور ہو گئے۔ واقعی وہ گھر ہی کا لڑکا تھا، اس لئے اسے مایوس کرنا مناسب نہیں لگا۔ رہی اس کی بات، تو اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، دعائیں قبول ہوتے سنا تھا اس نے، لیکن اس طرح نہ دیکھا نہ سنا۔ بھگوان نے روز درشن کا سلسلہ جاری کرا دیا۔ اس کی پڑھائی کا وہ انتظام ہو گیا کہ اس سے بہتر انتظام ممکن ہی نہیں تھا۔

سمیر نے ٹیوشن کے لئے شام کا وقت مقرر کیا، یعنی سورج غروب ہوتا تو چاند نکل آتا۔ چاندنی سے اس کی دنیا روشن ہو جاتی۔ سمیر خاموش اور شرمیلی طبیعت کا لڑکا تھا۔ وہ پابندی کے ساتھ آتا اور محنت کے ساتھ پڑھانے میں جٹا رہتا۔ نہ جانے وہ کون سا جادو تھا کہ اس کا پڑھایا ہوا سارا کا سارا اس کی سمجھ میں آ جاتا۔ اس سے پڑھنے میں ایک خاص

لطف آتا۔ اس کے لبوں سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو بہت دھیان اور احتیاط سے اپنے اندر اتارتے ہوئے ایک شردھا سی محسوس ہوتی۔ وہ بہت لئے دیئے رہتا، وقت پر آنا، وقت پر جانا، پڑھائی کے علاوہ کوئی ایسی ویسی بات اس کے منہ سے ہرگز نہ نکلتی، پھر بھی اس کے ساتھ ایک انجانا سا رشتہ دھیرے دھیرے بن رہا تھا۔ اگرچہ اس میں ابھی تک نہ کوئی رنگ تھا نہ آہنگ۔ اس کے جسم کے ہر حصے سمیر سے کچھ کہنا چاہتے لیکن وہ الفاظ اور آواز کی بیش بہا دولت سے محروم تھے۔ زبان پر ایسے تالے لگے تھے جن کی قسمت میں کھلنا شاید لکھا ہی نہیں تھا، لیکن ایک دن اس کی قسمت میں ایسا ضرور لکھا تھا۔

رنگ و آہنگ کی ایک پوری دنیا اچانک اسے حاصل ہوگئی۔ آواز و الفاظ کی بیش بہا دولت سے وہ مالا مال ہوگئی۔ وہ دن تھا جب سمیر کو اس نے چور نظروں سے اپنی طرف تکتے دیکھا۔ لکھتے لکھتے اچانک اس کا سر اٹھ گیا، دونینوں سے نکلتی ہوئی تیز کرنوں کو اس نے اپنے وجود کے اندر دوڑتے ہوئے محسوس کیا۔ ان نگاہوں میں اس کی گم شدہ دنیا، ساری خوشیاں، سارے رنگ، سارے آہنگ، الفاظ و معنی اور آواز کے ہفت اقلیم موجود تھے۔ نہ جانے کون سی بے پناہ طاقت تھی ان نگاہوں میں کہ ان کا سرور رگوں میں دوڑتا پھرتا صاف محسوس ہوتا تھا۔

سمیر جب بھی لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوتا تو اس کی نگاہیں بنا روک ٹوک اس کا طواف کرتی رہتیں۔ سمیر کا سر اٹھتے اٹھتے اس کی نگاہیں فوراً جھک جاتیں۔ بہت بعد میں پتہ چلا کہ جب اس کی نگاہیں جھک جاتیں تو اس کی نگاہیں اٹھ جاتیں۔ نگاہوں کا یہ کھیل نہ جانے کب سے چل رہا تھا کہ اچانک...... اسے ایک ٹھہراؤ سا نصیب ہوا۔ نگاہوں کے آپسی لین دین سے آس پاس بہنے والی ہوائیں تک مہک اٹھیں۔ ان نگاہوں کے درمیان کے لمحے ایسے قیمتی اور انمول تھے کہ ان پر ایک نہیں کئی دنیائیں قربان کی جاسکتی تھیں۔ خوشی کی وادیوں سے روتے ہوئے جانے والے بھی بہت دیکھے گئے ہیں۔

اس کے پتا جی اور ماں پڑھے لکھے اور سمجھدار تھے، زمانے کی اونچ نیچ ان کی

نگاہوں کے سامنے رہتی۔ سمیر اس کے بھائی کمار کا دوست تھا، وہ اس کا سگا نہیں تھا، اس سے محض دوستی کا رشتہ تھا جو ایک طرف مضبوط ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے کمزور ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔ وہ ایک غیر گھر، غیر علاقے کا فرد تھا جس کے ساتھ تنہائی میں وہ روزانہ دو ڈھائی گھنٹے بیٹھتی۔ ماں باپ کی خفیہ نگاہیں انہیں دیکھتی رہتیں۔ ان کے اطمینان میں ضرور اضافہ ہوا تھا کیوں کہ سمیر کے آنے کا وقت ہوتا تو ان کا لازماً گھر میں موجود رہنا ضروری نہیں رہا۔

انہوں نے بھی خاموشی سے اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔ اگر چہ اس سے فرق بھی کیا پڑتا تھا، معاملہ تو فی الحال نگاہوں کا تھا، اس پر کس کا بس تھا۔ وہ تو چاہتی تھی کہ سمیر پڑھائی لکھائی کے علاوہ بھی کچھ کہے لیکن وہ نہ جانے کس مٹی کا بنا تھا، وہ سارے کام نگاہوں سے ہی لیتا رہا، زبان کو درمیان میں آنے ہی نہیں دیا۔

وقت اپنی بے آواز چال سے کسی کو بتائے بنا وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک...... وہ بی اے پاس کر گئی۔ تب اُسے احساس ہوا کہ اس نے تو اس کی خوشیوں کے بہتے ہوئے سمندر میں اچانک روک لگا دی۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ بی اے پاس کرنے کی اس کو اس کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ یہ سامنے کی بات تھی اور نظروں سے اس قدر اوجھل......

اسے پتہ تھا کہ پتا جی آگے پڑھنے کے مخالف ہیں، ان کے ذہن میں عجیب عجیب خیالات ہیں، ہمارے سماج کی یہ کیسی عجیب روایت ہے کہ ماں باپ لڑکیوں کے بارے میں جو بھی فیصلے کرتے ہیں، وہ ان کی شادی کو محور میں رکھ کر، اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں سکتے۔ پتہ نہیں انہیں کون سی اندیکھیاں نظر آنے لگتی ہیں۔

اس صورت حال نے جہاں اس کے بہت سے دروازے بند کر دیئے، وہاں ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس کے اندر امکانات کی ایک بہت وسیع دنیا آباد تھی۔ سمیر کے منہ میں اچانک وہ زبان آ گئی جس کے لئے وہ آج تک ترستی رہی تھی۔ اس نے دبے لہجے میں اعتراف کیا کہ اس کا یہاں آنا، اس کے ساتھ پڑھائی کے بہانے بیٹھنا اس کی زندگی

کا تقریباً مقصد بن چکا ہے، اس کے بعد اس کی زندگی میں کچھ باقی نہیں رہے گا۔ وہ اس وقت بالکل انجان بن گئی۔ حالانکہ اپنی اندرونی کیفیت کو چھپانے کے لئے اسے جو زبردست محنت کرنی پڑی، اسے صرف وہی جانتی تھی۔ سمیر اپنی معصومیت میں اس کے انجانے پن کو سچ سمجھ بیٹھا اور اسے سمجھانے لگا کہ وہ کسی طرح پتا جی کو آگے پڑھائی کے لئے راضی کرے۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تو خود بھی سوچ رکھا تھا کہ پتا جی سے کس طرح بات کرے گی اور انہیں کیوں کر راضی کرے گی۔ وہ یونیورسٹی بھیجنے کے مخالف تھے، پرائیویٹ طور پر پڑھنے کی بات پر وہ خاموش رہے اور خاموشی نیم رضا۔ ظاہر ہے کہ سمیر تو اس کو پڑھا ہی رہا تھا، سو رسمی طور پر اس سے دریافت کیا گیا اور رسمی ہی طور پر اس نے حامی بھی بھر لی۔

اُس کے لئے یہی بہت تھا۔ اس کی خوشیاں لوٹ آئیں۔ آگے پڑھائی شروع ہو گئی...... دو طرح کی پڑھائی، ایک کتابوں کی جس سے زندگی سنورتی ہے، دوسری دل کی جس سے دنیا سنورتی ہے۔ سمیر کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہنا خود اس کے لئے کتنا ضروری تھا، اس کا پتہ بعد میں چلا۔ اس سے پہلے ان کے دل بولتے تھے، آنکھیں بولتیں، روحیں سرگوشیاں کرتیں، اس وقت وہ خاموش تھے، اب خاموش نہیں رہے۔ ان کی زبانوں نے کب ان کا ترجمان بننا قبول کیا، انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ وہ کبھی کبھار باہر گھومنے بھی جانے لگے۔ پتا جی اور ماں کو سمیر پر بہت اعتماد تھا اور بھائی کا تو وہ دوست تھا ہی۔

سمیر نے اپنے آپ کو اپنی تخلیق کردہ لکشمن ریکھا میں قید کر رکھا تھا۔ وہ اس ریکھا کو پھلانگنے کی ہمت ہی نہیں جٹا پاتا تھا، کیسا مرد تھا وہ......؟ وہ اس سے محبت کرتا تھا، اس کے بغیر اسے ایک پل چین نصیب نہیں تھا، اس کے ساتھ اسے تنہائی کے لمحات بھی نصیب ہوتے، لیکن اس وقت بھی وہ اپنی لکشمن ریکھا کو پار نہیں کرتا تھا، اسے تنہا پا کر وہ کبھی بہکتا نہیں تھا، کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس کی وہ منتظر رہتی۔ کیسا مرد تھا؟ کیا سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں......؟

اس نے اسے اس کے ہاتھوں سے شروع کیا تھا اور وہیں پر اس کو ختم بھی کرتا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا، اپنی انگلیاں اس کی اُنگلیوں میں پھنسا دیتا اور بہت دیر تک اپنی انگلیوں سے اس کی انگلیوں کو دباتا رہتا۔ اس کے پورے بدن میں ایک عجیب سنسنی سی دوڑتی رہتی، ایک ہلکی ہلکی سی آنچ اس کے بدن کو سلگاتی رہتی۔ سمیر جاتے وقت اس کے ہاتھوں کو چومتا تو یہ آگ اور تیز ہو جاتی۔ اس کی اس حالت سے وہ بے خبر تھا کیا......؟

جب اس آگ سے اس کا بدن جھلسنے لگتا تو بے قابو ہو کر وہ اس کے پاس سمٹ آتی، اس کے جسم کی آگ سے اپنی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی۔ سمیر پر بظاہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور وہ حسب معمول انجان سا بنا رہتا۔ وہ یہ کیسے مان لیتی کہ وہ اس کے احساسات سے بے خبر تھا، وہ کوئی بے جان مورت تو نہیں تھا، اس کی باتوں کے پور پور سے زندگی کی مہک آتی تھی، اس کے پاس بیٹھ کے ہمیشہ یہ احساس ہوتا کہ کچھ حاصل ہو رہا ہے، اس کی صحبت کا ایک نشہ سا طاری رہتا اور بار بار کوئی دل کے اندر سرگوشی کرتا رہتا کہ زندگی کو اپنایا جا سکتا ہے، اس میں رنگ و روپ بھرے جا سکتے ہیں، اگر اس کا ساتھ مل جائے۔ اس نے اس کو جیت لیا تھا اور وہ اس کے سامنے اپنا سب کچھ ہار چکی تھی، لیکن پتہ نہیں کیوں وہ اس کی ارادھنا کو قبول کرنے سے کترا رہا تھا...... کہیں یہ اس کا وہم تو نہیں تھا......؟

اس کے کترانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس نے اس کو دیوی کا روپ دے رکھا تھا، وہ اس کے قدموں میں پھول چڑھاتا، پیسے بھینٹ کرتا، کوئی تحفہ اس کے لئے لاتا تو سب سے پہلے اس کے قدموں میں ڈالتا، گھنٹوں اسے تکتا رہتا، اس کے ہاتھوں کو گاہے گاہے چومتا رہتا...... یہ سب کیا تھا......؟

کہیں وہ سچ مچ اسے دیوی ہی تو نہیں سمجھ بیٹھا تھا......؟

وہ اسے کیسے سمجھاتی کہ جب وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے، اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پھنسا کر انہیں دباتا ہے تو اس کے اندر کون سا طوفان برپا ہو جاتا ہے، وہ

اس کے ہاتھوں کو اپنے لب سے مس کرتا ہے تو وہ کن جہانوں میں پہنچ جاتی ہے، اس کے قربت کی آگ اس کے اندر کن چیزوں کو جلاتی ہے۔ اس کے اندر ہمت ہوتی اور وہ اسے یہ سب بتا ہی دیتی تو کیا ہوتا...... کیا طوفانوں کا برپا ہونا، اجنبی جہانوں کی سیر، تپش، آگ وغیرہ وغیرہ برقرار رہ پاتے؟ شاید یہ ایسے احساسات ہیں جو زبان کے سہارے الفاظ کا لباس پہن کر ننگے ہو جاتے ہیں۔

سمیر نے شاید احساسات کی سرگوشیاں سن لیں تب ہی تو اس نے اسے سمجھایا۔

''شالینی، میں تم سے محبت کرتا ہوں، تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا......''۔

''دھوکہ......؟''

وہ بھونچکا رہ گئی۔ ایسا نیچ لفظ اس کے ذہن میں آیا کیوں کر......؟

''شالینی ہم یہ تو نہیں جانتے نا کہ ہماری قربت آگے چل کر کون سا رُخ اختیار کرے گی......''۔

سمیر بہت سنجیدہ تھا۔

''تم نے دھوکہ کی بات کی تھی......؟''

اس کے ذہن میں ابھی تک وہی لفظ چکر کاٹ رہا تھا۔

''یہ ایک طرح سے دھوکہ ہی ہوگا نا...... تم گنگا کی طرح پاک وصاف ہو، تمہیں میلا کرنے کا کیا حق ہے مجھے......؟''

سمیر کی سنجیدگی غیر معمولی ہوتی جا رہی تھی۔

''سمیر، تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ میں تو بس یہی جانتی ہوں کہ میرا دل ودماغ میرے قابو میں نہیں رہا......''۔

اس کی زبان اُس کے احساسات کا بہت دور تک ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

''سماج کی مہر لگے بنا ہم من وتو کا فرق نہیں مٹا سکتے۔ اس وقت تک تم، تم رہو گی اور میں، میں......''۔

اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ شاید آگے کچھ بولتی تو پتہ نہیں سمیر کیا سمجھتا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کی باتیں واقعی اس کی سمجھ میں نہیں آئیں۔

امتحان میں بیٹھنے کی اجازت حاصل کرنا بھی ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ پتا جی نے آگے پڑھنے کی اجازت دی تھی، امتحان کا وعدہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔ وہ ان سے اجازت طلب کرنے گئی تو ان کا جواب پہلے سے معلوم تھا۔

''کیوں......؟ یہ کہاں کہا تھا میں نے......؟''

''پتا جی میں نے جو جان توڑ محنت کی کیا اسے بے کار جانے کے لئے......؟''

''بیٹی، تمہاری محنت ہرگز رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے جو ابھی نہیں آیا......''۔

''پتا جی، آپ تو کہتے ہیں گیا وقت ہاتھ پھر آتا نہیں......''۔

''تمہارا وقت ابھی آیا ہی نہیں تو جانے کا کیا سوال......؟''

پتا جی بھی بحث کرنے کے موڈ میں تھے۔ وہ بھی کب ہار ماننے والی تھی، مچل کر بولی——

''جانتے ہیں پتا جی، سمیر جی کہتے ہیں میں ٹاپ کر جاؤں گی......''۔

''ضرور کروگی، لیکن میری کچھ مجبوری ہے بیٹی، سمجھنے کی کوشش کرو......''۔

''اوہ پتا جی، آپ تو بالکل بوڑھوں جیسی باتیں کر رہے ہیں، میں اپنے پتا جی کو بھی بوڑھا نہیں ہونے دوں گی......''۔

''بوڑھا تو ہر وہ آدمی ہوتا ہے جس کی بیٹی شادی کے لائق ہو جاتی ہے۔ تم بھی ایک دن بوڑھی ہو جاؤ گی، مجھ سے بھی بہت زیادہ......''۔

''نہیں پتا جی، میں آپ جیسی بوڑھی کبھی نہیں ہوں گی، آپ دیکھ لینا......''۔

''ضرور...... میں تو دعا کرتا ہوں بھگوان تمہیں سدا جوان اور سکھی رکھے......''۔

''لیکن آپ کو میرے امتحان دینے پر اعتراض کیوں ہے......؟''

وہ پھر اپنے مطلب پر آگئی۔

''تم ابھی نہیں سمجھ سکو گی، لیکن وشواس رکھو، تمہاری محنت کبھی ضائع نہیں ہوگی......''۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، کون جانے کب کیا ہو......؟''

پتا جی ہنس پڑے۔

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں، اصل میں تمہارا ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے، میں نہیں چاہتا کوئی معمولی سا بہانہ بھی اس میں رکاوٹ بنے......''۔

وہ دھک سے رہ گئی۔ سمیر کا چہرہ روشنی کے چھناکے کی طرح آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ پتا جی بولتے رہے۔

''بہت اچھا لڑکا ہے، پڑھا لکھا، سنجیدہ، متین، بہت اچھا بزنس ہے، ماں باپ کا اکلوتا ہے، پھر ہماری ہی ذات کا ہے اور......''۔

وہ جیسے اندھے کنویں میں لڑکھڑا کر گر گئی۔ لیکن کمال ہے کہ پتا جی کے سامنے مضبوطی سے کھڑی رہی۔ اس پر اسے آج بھی تعجب تھا۔ اس کی اتھاہ خاموشی کو انہوں نے نیم رضا سے تعبیر کیا اور وہ......اس نے تو کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ پانسہ یوں پلٹ بھی سکتا ہے، دنیا یوں اچانک اندھیری بھی ہو سکتی ہے، آدمی کھڑے کھڑے یوں لٹ بھی سکتا ہے۔

سمیر گھر گیا ہوا تھا، اسے اس کا پتہ بھی معلوم نہیں تھا، اس وقت اسے خیال آیا کہ وہ تو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھڑی ہے جہاں سے کسی کو آواز دے تو کوئی آواز بھی نہ سنے، چیخے تو چیخ حلق ہی میں گھٹ جائے......

پتا جی رات کے کھانے کے بعد چھت پر ٹہلتے تھے۔ انہوں نے ماں کو بھی وہیں بلا لیا۔ کمار بھیا گھر میں موجود نہیں تھے، وہ دبے پاؤں سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئی۔ پتا جی نے سنتوش کا نام لیا تو ایسا لگا ماں کو اس سے قبل کچھ پتہ نہیں تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں، اتنا اچھا لڑکا اپنی شالینی کے لئے......؟ کہیں میں خواب تو

نہیں دیکھ رہی......؟''

''تمہیں اس قدر تعجب کیوں ہو رہا ہے، میری بیٹی میں کوئی کمی ہے کیا، وہ خود لاکھوں میں ایک ہے......''۔

پتا جی کی اس خوش گمانی پر اس کے جسم میں ایک ٹھنڈی لہر سی دوڑ گئی۔

''بھئی مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ خیر بتایئے، کچھ مانگ وانگ......''۔

''تمہیں پتہ ہے نا، میں نے بھگوان سے عہد کر رکھا تھا کہ شالینی کی شادی اسی گھر میں کروں گا جہاں کچھ مانگ نہ ہو۔ شالینی میری اکلوتی بیٹی ہے، میں اس کے لئے جو کچھ بھی نہ کر گزروں، لیکن مانگنے والوں سے تو میں بات بھی نہ کروں گا......''۔

''بڑے بھاگوان ہیں آپ، بھگوان نے آپ کی سن لی......''۔

ماں کا لہجہ خوشی سے لرز رہا تھا۔

''ابھی اور سنئے، رشتہ بھی انہیں کی طرف سے آیا ہے، انہیں صرف اچھی لڑکی چاہئے۔ شالینی ان کے معیار پر پوری اترتی ہے، لیکن صرف ایک فرمائش ہے ان کی......''۔

''کیا......؟''

ماں کے دل کی دھڑکن نیچے تک سنائی دے رہی تھی۔

''ان کی فرمائش ہے کہ ان کے مہمانوں کی خاطر تواضع اچھے ڈھنگ سے ہونی چاہئے اور بس......''۔

''بہت جائز فرمائش ہے۔ تو پھر آگے......''۔

''فیصلہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا، میں تو ان لوگوں کو بہت پہلے سے جانتا بھی ہوں، پھر بھی میں نے ان سے کچھ سوچنے کا وقت مانگا ہے......''۔

''تو جلدی ہاں کہلوا دیجئے نا، دیر ہونے سے کہیں کوئی......''۔

''ایسی بات نہیں، اپنا بھرم بھی تو قائم رکھنا پڑتا ہے، کسی کے سامنے کیوں ہماری کمزوری ظاہر ہو......''۔

''خیر، آج آپ نے بہت بڑی خوش خبری سنائی، اب میں چین کی نیند سو سکوں گی......''۔

''تو گویا میری بیٹی اس قدر بوجھ ہے آپ پر......''۔

''ایسی بات نہیں جی، ذمہ داری کی بات ہے، بیٹی کو اچھا بَر ملے، وہ اچھے گھر میں جائے، ہمیشہ سکھی رہے، یہ کس ماں باپ کی خواہش نہیں ہوتی۔ میری بیٹی بوجھ کیوں ہونے لگی، وہ تو ایسی ہے کہ پھول بھی اس کے آگے بھاری ہے......''۔

''ابھی کسی سے کچھ کہنا نہیں۔ بات جب تک پکی نہ ہو جائے، اس کا ظاہر ہونا اچھا نہیں ہوتا......''۔

''لیکن اپنے پرائے سنیں گے تو دنگ رہ جائیں گے......''۔

''ارے وہ ہماری خوش قسمتی پر رشک کریں گے رشک، کوشلیا ایسے رشتے کو بھگوان کی طرف سے ایک اُپہار ہی سمجھو......''۔

پتا جی اور ماں کی زبان سے جو الفاظ بھی نکل رہے تھے وہ خوشیوں کی پرتوں میں لپٹے ہوئے، بلکہ ان کی جتنی پرتیں کھولی جاتیں، سب کی سب خوشیوں سے لبریز ہوتیں۔ ساری گفتگو میں دونوں کی زبان سے ایک بار بھی سمیر کا نام نہیں نکلا۔ کیا وہ اس لائق نہیں تھا کہ سرگوشیوں کی اس گفتگو میں ایک آدھ بار اسے بھی یاد کر لیا جاتا۔ اس کے تو ان گنت احسانات تھے۔ محض اس کی محنت کی بدولت آج وہ گریجویٹ کہی جا رہی تھی۔ کیا ہو گیا ہے اس کے گھر والوں کو......؟

وہ اندھیرے میں ڈوبتی جا رہی تھی لیکن اپنے والدین کے کٹھور پن اور خود غرضی نے ایک طرح سے اسے سنبھال لیا۔ اس کے اندر ایک جوالہ مکھی سی پھوٹ پڑی جس سے بغاوت کے شعلے نکل رہے تھے۔

آج وہ جو کچھ بھی تھی، سمیر ہی کی بدولت تو تھی۔ اس کی شخصیت کے چوطرفہ نکھار میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا، اسے وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ وہ تو زندگی کی خوبصورت بھول

بھلیوں سے واقف بھی نہ تھی، سمیر ہی نے اسے اس وادی کی سیر کرائی، اسے جینے کا سلیقہ سکھایا، اس کے اندر خواہشات کا ایک خوبصورت تاج محل تعمیر کیا۔ وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی۔ اس کے بغیر تو وہ صفر تھی، اس کے بنا زندگی کا اس کے سامنے کوئی تصور نہیں تھا۔ اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ جیوں گی تو سمیر کے ساتھ، مروں گی تو سمیر کے ساتھ۔

کمال یہ ہے کہ کمار بھیا کو بھی اس موقع پر سمیر کی یاد نہیں آئی۔ پتا جی نے ان سے بھی جب اس لڑکے کا ذکر کیا تو دنیا جہان کی باتیں ہوئیں، خاندان، عمارت، تعلیم، دولت، طور طریقے وغیرہ وغیرہ...... لگتا تھا سنتوش کوئی ایسا سورج ہے جس کی چمک کے سامنے سارے چاند ماند پڑ گئے ہیں، کم سے کم اس سلسلے میں سمیر کی رائے ہی لے لی جاتی۔ آخر اس نے اسے پڑھایا تھا، اس کی زندگی بنائی تھی، لیکن اس کو تو کسی نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ سب اسے بھول گئے، اس کا مطلب ہے آئندہ بھی جب کوئی ایسا موقع آئے گا، سمیر کی یاد کسی کو نہیں آئے گی......۔

اس کے باغیانہ خیالات کھولنے لگے، اس کے ارادوں میں مضبوطی آتی گئی، اسے انتظار تھا تو......۔

—●—

میں شالینی کو کیسے سمجھاؤں، میں نے اُس سے محبت کی ہے، میں سربازار اُسے رسوا کیسے کرسکتا ہوں۔ وہ ناسمجھ ہے، اس نے زمانے کی اونچ نیچ نہیں دیکھی، اس نے وہ داغ نہیں دیکھے جو کسی کے دامن پر لگ جائے تو کبھی جائے نہیں، کپڑے پھٹ جاتے ہیں، گریبان چاک چاک ہو جاتا ہے، وہ داغ نہیں جاتا بلکہ روز افزوں نمایاں ہی ہوتا جاتا ہے۔ شالینی یہ سب نہیں سمجھتی۔ میں تو ایک پل بھی اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا لیکن میں نے اُس کی جدائی کا زخم نہ صرف اپنے سینے میں چھپالیا بلکہ اُس کی امانت سمجھ کر اس کی

حفاظت بھی کر رہا ہوں۔ میں جان بھی دے سکتا تھا اور یہ میری نجات کا ایک بہت بڑا راستہ ہوتا مگر اس سے شالینی ہی کی رُسوائی ہوتی اور یہ مجھے کسی حال میں منظور نہیں کہ اُس پر کوئی آنچ آئے۔ وہ دنیا کو نہیں جانتی۔ وہ نہیں جانتی کہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی لوگ رائی کا کیسا پہاڑ کھڑا کر لیتے ہیں، لیکن اُس کے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے، میں تو سب کچھ جانتا ہوں، سب کو پہچانتا ہوں اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اُسے اس کیچڑ سے بچاؤں جس کے چھینٹے کبھی بھی اور کہیں بھی اُڑ کر اُس کے دامن کو داغ دار بنا سکتے ہیں۔ شالینی، میری زندگی، میری دنیا، میری سب کچھ ہے۔ جسمانی طور پر وہ کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے لیکن اس سے میرا تعلق ختم کیسے ہو سکتا ہے، دیکھنے والوں کو ختم دکھائی دے سکتا ہے، میں تو اندھا نہیں، مجھے یہ تعلق کبھی بھی ختم دکھائی نہیں دے سکتا کیوں کہ اس کے بعد پھر میرے پاس باقی کیا بچے گا، وہ مجھے ملے نا ملے، میں تو اس کے وجود سے سر سے پیر تک معمور ہوں اور رہوں گا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے تصور میں رہے، ہمیشہ خوش و خرم رہے، کیا یہ باتیں مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ نہیں دیتیں......؟ محبت میں وصل ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا، وصل تو ایک پڑاؤ ہے جس پر پہنچ جانے کے بعد آدمی دم لینے کو بیٹھ جاتا ہے، تھک جاتا ہے، جیت کر بھی ہار جاتا ہے، اُس کے اندر آگے جانے کا حوصلہ باقی نہیں رہتا اور وہ آگے جائے بھی کیوں......؟ یہی پڑاؤ تو اُس کی منزل ہے، وہ تو اپنی ساری تڑپ، بے چینی اور کسک کو ایک ہی جست میں کھو بیٹھتا ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا، مجھے اپنی تڑپ اور بے چینی بے حد عزیز ہے، میں نے بہت شوق سے خندہ پیشانی کے ساتھ انہیں قبول کیا ہے۔ لیکن یہ سب میں شالینی کو کیسے سمجھاؤں، وہ تو کچھ سمجھتی ہی نہیں۔ اس نے شاید صرف ان لوگوں کو دیکھا ہے جو دن رات آہیں بھرتے ہیں، گریباں چاک گھومتے ہیں، گھروں سے بھاگتے ہیں، دیوانے کہلاتے ہیں، وہ سب کچھ کرتے ہیں جو thrilling لگے......شاید ایک عمر ایسی ہوتی ہے جہاں اس قسم کی چیزیں اچھی لگتی ہیں، آدمی کو آگے پیچھے کچھ بجھائی نہیں دیتا، اپنا آپ دکھائی نہیں دیتا، کان بند رہتے ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہیں، لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ پارے کی طرح تھرتھراتا رہتا

ہے۔ شالینی ابھی اسی عمر کے حصار میں ہے۔ ایسی بات نہیں کہ میں اس حصار سے بہت آگے نکل آیا ہوں...... نا...... لیکن مجھے ایسی آنکھیں بھی ملی ہیں جو دیکھ سکتی ہیں، کان دیئے ہیں جو سن سکتے ہیں، سمجھ دی ہے جو فکر کر سکتی ہے...... یہ سب اس لئے ملے ہیں کہ میں نے زمانے کے سرد وگرم دیکھے ہیں، نشیب وفراز سے لڑھکا ہوں، چٹانوں پر بھروسہ کیا تو وہ تنکا ثابت ہوئے، تنکے کا سہارا لیا تو وہ چٹان نکلا۔

میں ایک نچلے متوسط خاندان کا فرد ہوں، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد بیوہ ماں، تین تین چھوٹی بہنیں، ایک بیوہ بے سہارا پھوپھی اور ایک نیم پاگل چچا کا بوجھ میرے ناتواں کاندھوں پر آ پڑا، لیکن ماں نے پوری کوشش کی کہ مجھے یہ بوجھ محسوس نہ ہو، اس کے لئے انہوں نے دن رات محنت کی...... محلے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھانا، کچھ پرائیویٹ ہاسٹلوں کے لڑکوں کا کھانا تیار کرنا، راتوں کو دیر تک مشین پر سلائی، سارے خاندان کا ایک کمرے میں سمٹ آنا، بقیہ کمرے کرائے پر...... اب زندگی کوئی مشین تھوڑی ہی ہے کہ تیل ڈالتے جاؤ، نتیجہ نکالتے جاؤ۔ اگر یہ مشین ہی ہے تو بہت جلد یہ مشین خراب ہو گئی، ماں کی آنکھیں خراب ہو گئیں، صحت جواب دے گئی، لیکن میں گریجویٹ ہو گیا اور بوجھ محسوس کرنے کے لائق ہو گیا۔ میں اس وقت بھی کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر سکتا تھا لیکن ماں کا اصرار تھا کہ میں ایم اے کروں، پی ایچ ڈی کروں۔ چاہتا تو میں بھی یہی تھا لیکن ماں، نہیں، پھوپھی، چچا...... ماں کے پیہم اصرار پر میں نے ان کی خواہش کا احترام کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہر جا کر ایم اے میں داخلہ لیا اور صبح وشام ٹیوشن پڑھانے شروع کر دیئے۔ پڑھنے اور پڑھانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ زندگی کے میدان میں، میں سرپٹ دوڑتا رہا۔ خوش قسمتی سے میدان ہموار تھا بلکہ سپاٹ...... آس پاس کوئی ایسی ہریالی بھی نہیں تھی کہ دوڑتے ہوئے نگاہیں پڑ جائیں تو آدمی دم بھر کے لئے ٹھہر جائے...... کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی جو میرے قدموں کو کہیں لگام دے سکتی۔ کمار سے میری دوستی ہوئی۔ میں نے اس کی بہن شالینی کو دیکھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری دوڑ میں

کچھ کمی آگئی، البتہ زندگی کی اس بے رحم، سپاٹ اور تھکا دینے والی دوڑ میں ایک توانائی ضرور آگئی، چاروں طرف ایک بھینی بھینی سی خوشبو کا احساس ہونے لگا، دوڑ میں ایک نئی چمک اور نئی روشنی شامل ہوگئی۔

شالینی کو جب پہلے پہل دیکھا تو ایسا محسوس ہوا میرے اندر کسی تیز رفتار برقی قوت نے ہاتھ بڑھا کر کچھ باہر کھینچ لیا...... جسم سے تیز تیز لہریں باہر نکلنے لگیں۔ صاف محسوس ہوا کہ اس لمحے میں، میں نے کچھ پالیا۔

کئی دن بے کلی میں گزرے۔

میں نے اپنے آپ کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی۔ میرے سامنے صرف میری زندگی کا سوال نہیں، کئی بے گناہ، معصوم زندگیاں گنہ گاروں کی طرح کھڑی ہیں، میں نے جو عزم کیا ہے وہ کیسے پورا ہوگا، ماں سے جو وعدہ کیا ہے، اس کی تکمیل کیسے ہوگی، میں نے اپنے آپ سے جو عہد کیا ہے، اس کا کیا ہوگا، پھر شالینی کا مجھ سے کیا مقابلہ، وہ ایک مہذب، اعلیٰ خاندان کی خوبصورت لڑکی...... میں ماضی، حال اور مستقبل کے سیاہ گورکھ دھندوں میں پھنسا ہوا ایک حقیر کیڑا...... ان سب کے علاوہ ذات پات کی دیوار بھی تھی جسے گرانے کا حوصلہ پیدا کرنے کے لئے جو طاقت ہونی چاہئے وہ مجھے میسر نہیں تھی۔ پھر شالینی، کمار کی بہن ہے، کمار میرا دوست ہے...... اس پس منظر کے باوجود میری جو نگاہیں شالینی پر پڑیں، وہ کون سی نگاہیں تھیں، میری اپنی تھیں یا کسی اور کی تھیں کہ وہ میرے قبضہ اختیار میں نہیں تھیں، میں اسے جن نگاہوں سے دیکھنا چاہتا وہ نگاہیں میرے پاس نہیں تھیں، میں اسے جب بھی دیکھتا تو اپنے آپ کچھ کھونے کا احساس ہونے لگتا، کچھ پانے کی لالچ میں میری نگاہیں اس پر سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ میری عقل مجھے سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی کہ شالینی اور میرا کوئی جوڑ نہیں، میرے اور اس کے درمیان بہت سی ان دیکھی دیواریں حائل ہیں، اگر ہم ان دیواروں کو کسی طرح گرا بھی دیں تو کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ شالینی کو خوش رکھ سکوں، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، میں یہ بھی نہیں جانتا

کہ آگے میرا کیا ہوگا، قدم قدم پر اندیشوں کے لاتعداد امکانات ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کب کسی لائق ہوسکوں گا، شالینی کیا اتنی دیر انتظار کرسکے گی؟ وہ انتظار کر بھی لے تو کیا میں یہ گوارہ کرلوں گا کہ اپنے ساتھ شالینی کو بھی زندگی کے اس جہاد میں جھونک دوں......؟ کیا میں ترازو کے ایک پلڑے میں شالینی کی آرزوؤں، تمناؤں اور خوابوں کو رکھ کے دوسرے میں اپنی ماں اور بہنوں کے خواب رکھوں اور پھر ایک تاجر کی طرح دیکھوں کہ کون سا پلڑا بھاری رہتا ہے......؟

نہیں...... میں یقیناً ایسا نہیں کرسکوں گا۔ میں اتنا خودغرض نہیں۔ کسی محبوب چیز کو حاصل کرلینا ہی حاصل زندگی نہیں، محبت کا چراغ دل میں ہمیشہ جلائے رکھنا ہی زندگی ہے۔ مجھے اس پر کاربند رہنا چاہئے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے طور پر بھرپور کوشش بھی کی۔ اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا۔ دریا کے کنارے تنہائی میں خوبصورت فضاؤں میں اپنے آپ کو بھلانے کی سعی کی......سب بے سود، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، میری نیندیں حرام ہوگئیں، چین و آرام چھن گیا، کھانا پینا چھوٹ گیا، دل نے اس کے سوا کسی اور خیال کو قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔ مقفل کمرے کی سنگین دیواریں میرے لئے خس و خاشاک ثابت ہوئیں۔ تنہائی سے معمور فضاؤں میں مجھے صرف اور صرف شالینی کے گیت سنائی دیئے۔ لاکھ نہیں چاہتے ہوئے بھی میرے قدم اس کوچے کی طرف اٹھ گئے جہاں سے راستہ کوچہ قاتل کی سمت نکلتا تھا۔

شالینی کی نگاہیں ویران تھیں، لاتعداد طوفانوں کو چھپا کر بھی وہ طوفانوں کے آنے کی سنگین خاموشی کا مظہر تھیں۔ سارے طوفان گرم گرم پانیوں میں اپنا منہ چھپانے کی کوشش کررہے تھے۔ اس کی زبان نے اس منظر کی تاب نہ لاکر گنگ ہوجانے ہی میں اپنی عافیت

سمجھی، لیکن نگاہوں کی اپنی زبان بھی تو ہوتی ہے۔

''کہاں تھے......؟ کیا میرا امتحان لینا مقصد تھا......؟''

''نہیں، اپنا امتحان......اور میں اس میں بری طرح فیل ہو گیا......''۔

''تو......؟''

''پھر کوشش کروں گا......''۔

''حاصل کیا ہوگا......؟ بار بار امتحان دینے سے کیا ہوگا......؟''

''آرزوئیں جلتی رہیں گی، تمناؤں کا دھیرے دھیرے خون ہوگا اور ایک دن......''۔

ایک عجیب طلسماتی دنیا تھی۔ آگے کا راستہ کھلا تھا لیکن میرے قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ پیچھے کی ایک دنیا آباد تھی لیکن کوئی چیز تھی جو پیچھے مڑنے سے بھی روکتی تھی۔ دل کہتا چھوڑنے کی نہ یہ دنیا ہے نہ وہ، لیکن حقیقت کسی اور چیز کی تصویر دکھاتا، ایک طرف دل تھا، دوسری طرف حقیقت...... میں دونوں سے خوف زدہ...... دونوں کا سامنا کرنے کی میرے اندر ہمت نہیں تھی۔ خود کو حالات کے دھارے پر بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا کہ معاملہ شالینی کا تھا۔ میں اپنی سزا میں شالینی کو کیسے شامل کر لیتا۔ اس کا کیا قصور تھا، محبت تو میں نے کی تھی دو دنیاؤں کو میں تھامے ہوئے تھا، اس کی سزا شالینی کیوں بھگتے......؟

دور بیں نگاہیں رکھنے والا کوئی قلم میرے اندر جھانکتا تو شاید وہ کہہ سکتا تھا کہ اندر اندر میں نے کن طوفانوں کا سامنا کیا، ٹوٹنے اور بکھرنے کی کن منزلوں سے بار بار گزرا، کتنی بار ٹوٹا، کتنی بار بکھرا......۔

شالینی خلوص دل سے مجھے چاہتی تھی، اسے مجھ پر پورا بھروسہ تھا۔ جہاں تک بھروسے کا تعلق ہے، اس میں وہ سوفی صد درست تھی، لیکن یہ بھی اپنی جگہ سچ ہے کہ وہ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی، وہ آگ کی طرف بڑھ رہی تھی، آگ کی تیز و تند لپٹیں اس کی نگاہوں سے اوجھل تھیں، لیکن میرے پاس تو وہ نگاہیں تھیں، میں تو سب کچھ صاف دیکھ

رہا تھا اور آگ بھی ایسی کہ جل میرے اندر رہی تھی، بھسم ہونے کا خطرہ شالینی کو تھا۔ میں نے شالینی کو ہر قیمت پر اس آگ سے بچانے کا تہیہ کرلیا، چاہے اس کوشش میں، میں خود ہی کیوں نہ جل جاؤں۔

شالینی ایک تروتازہ پھول تھی جو ڈالی سے ٹوٹ کر میرے دامن میں آ گری تھی۔ اسے سورج کی کرنوں سے بچانا میرا فرض تھا۔ میں اسے ہمیشہ تروتازہ اور کھلا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں آگ کے سارے دریا اس کے لئے پار کر جاؤں۔ میں شالینی کو کیسے سمجھاؤں کہ میں نے ایسے جانے انجانے آگ کے بہت سے دریا پار کرلئے ہیں جو سب کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ میں نے وہ بلندی حاصل کر لی ہے جہاں پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ میں دہکتی ہوئی آگ میں تپ کر کندن بنا ہوں اور لاکھوں رکاوٹوں کے بعد اس مقام پر پہنچا ہوں کہ جسمانی حصول مجھے ہیچ نظر آنے لگا ہے۔ شاید یہی وہ مقام تھا جہاں میرا پہنچی تھی، آج میں میرا کے درد کو محسوس کر سکتا ہوں۔ میں سبھی مادی چیزوں سے دستبردار ہو سکتا ہوں، شالینی کی محبت کے درد سے نہیں۔

معاشی پریشانیوں کے جس بھیانک بھوت کی میں نے آنکھیں دیکھی ہیں، شالینی بھی ان آنکھوں کو دیکھے، میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا، میں یہ جگرا کیسے پیدا کروں، شالینی ایک محفوظ اور حسین خوابوں کی وادی میں جا رہی ہے، وہ اس بے رحم، ظالم بھوت کے خونی پنجوں سے نہیں لڑ سکتی، اگر وہ لڑنے کو تیار بھی ہو جائے تو میں اسے ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔ اس صورت میں شالینی میری کمزوری بھی بن سکتی ہے۔ جو طاقت میں اس بھوت کے پنجے مروڑنے میں صرف کروں گا، وہ طاقت شالینی کی حفاظت میں صرف ہو سکتی ہے، شالینی تو خود میری طاقت رہی ہے، میں اس سے Inspiration حاصل کرتا رہا ہوں۔ میں اپنی زندگی میں کبھی یہ موقع نہیں آنے دوں گا جب مجھے اس کا اک ذرا بھی احساس ہو کہ شالینی میری کمزوری ہے یا کمزوری ہو سکتی ہے۔ شالینی میرے لئے طاقت کا وہ منبع ہے جو ہمیشہ مجھے توانائی بخشتا رہے گا۔

ہنی مون سے واپسی پر شالینی کا رنگ و روپ کچھ اور نکھر آیا تھا۔ غسل سے فوراً فراغت کے بعد ہلکے آسمانی رنگ کی ساری، کھلے کھلے لانبے، چمکیلے بال اور سانولے رنگ میں ایک عجیب دلکش چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس زمین کی مخلوق ہی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

سنتوش کے جگری دوست کمل نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ خود اسمارٹ اور نفاست پسند تھا اور زندگی کو اپنے مخصوص نظریے سے دیکھنے کا قائل...... سنتوش کی طرح اسے بھی باپ کا جما جمایا بزنس ملا تھا، اسے بھی بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی، سالانہ turn over بھی لگ بھگ سنتوش ہی کے برابر تھا۔ اس کی شادی بہت قبل ہو چکی تھی۔ بیوی دولت تو بہت لائی تھی اور خوبصورت بھی تھی لیکن کمل کی امیدیں اور آرزوئیں کچھ زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد اس کے غیر ملکی دورے بہت بڑھ گئے تھے۔ غیر ممالک، نئے شہروں اور اجنبی ہوٹلوں میں اس کی کیا مصروفیت تھیں، کوئی نہیں جانتا تھا۔ گھر میں بھی وہ ایک مصروف تاجر تھا۔ بیوی صبر و شکر والی تھی، وہ خالی خالی نظروں سے شوہر کو باہر جاتے ہوئے، خوشبو لگاتے ہوئے اور گرتے پڑتے واپس آتے دیکھتی، لیکن زبان پر شکایت کا کوئی حرف نہ آنے دیتی۔ اب یہ اس کی خاموشی کا تاثر تھا یا اندر اندر کی تپسیا کہ کمل جلد ہی اجنبی آنچلوں سے اوب گیا اور اس کا کچھ وقت گھر میں بھی گزرنے لگا۔ رفتہ رفتہ اسے بیوی میں خدمت، سلیقہ شعاری اور خلوص کے جذبے دکھائی دینے لگے۔ البتہ کبھی کبھی اس کو یہ احساس ضرور ستاتا کہ اسے بہت خوبصورت بیوی نہیں ملی جب کہ دنیا کی کوئی خوبصورتی بھی اس کے دسترس سے باہر نہیں تھی۔

کمل اپنے مخصوص دوستوں کے درمیان اپنے سفر کی داستانیں مزے لے لے کر

سناتا۔ ان داستانوں میں بہت سے ایسے مقام بھی آتے جن پر پردہ پڑا رہنا چاہئے تھا لیکن
کمل کمال بے باکی سے ان پردوں کو بھی چاک کر ڈالتا۔ اب جب کہ اس کے سفر کی دھول
اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی وہ دوستوں کے درمیان ازدواجی مسائل پر اتھاریٹی مانا جاتا، جس
دوست کا معاملہ اس سلسلے میں کہیں پھنستا تو وہ سیدھا کمل ہی سے رجوع کرتا۔

شادی میں شریک نہیں ہونے اور اتنی تاخیر سے آنے کی شکایتیں ہو چکیں تو سنتوش
نے بھی اس کے سامنے اپنے دل کو کھولنے کی کوشش کی۔

''یار، اور سب تو ٹھیک ہے لیکن پتہ نہیں وہ کچھ......''۔

وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''یعنی......؟''

کمل نے استفسار کیا۔

''پتہ نہیں کیوں...... میں تمہیں کیسے بتاؤں، یعنی وہ ٹھیک سے کھل نہیں پاتی......''۔

''کپڑے تو کھول دیتی ہے نا......؟''

کمل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ کپڑے تو وہ لڑکی بھی اتار دیتی ہے جو صرف پیسوں کے
لئے کام کرتی ہو...... اور جسے ہرے نوٹوں کی جھلک دکھا دی جائے......''۔

سنتوش جیسے کچھ برا مان گیا۔

''تو پرابلم کیا ہے، ابھی تو تمہاری شادی ہوئی ہے، اصل منزل تو تم نے پار ہی کر
لی......''۔

''بات وہ نہیں ہے، دراصل......''۔

''ارے بھائی دھیرے دھیرے سب باتیں سلجھتی ہیں۔ کچھ مشکل ہوتی ہے شروع
شروع میں، خاص طور پر جب دونوں نوسکھئے ہوں۔ اب بھابھی کے بارے میں تو میں نہیں
جانتا، تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے کہتے تھے بیٹا کچھ تجربے حاصل کر لے، لیکن تو

نہیں مانا۔اب صاف صاف بول......"۔

"بات یہ ہے یار...... بولنے میں کچھ اچھا بھی نہیں لگ رہا...... یوں کہ شالینی ویسے تو بھرپور لڑکی ہے لیکن پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی کوئی ایک چیز مجھ سے بچالے جاتی ہے......"۔

"یہ سب فضول باتیں ہیں، جسمانی تعلقات کے علاوہ بقیہ ساری باتیں یونہی ہوتی ہیں۔ابھی تو راہ میں بہت نشیب وفراز آئیں گے......"۔

"میں اسے ہنی مون پر لے گیا، اس کے ساتھ تنہائی میں بھرپور خوبصورت لمحات گزارے، اس کی ہر جھجک دور کی، وہ کسی بھی موضوع پر میرے ساتھ بات کرسکتی ہے، پھر بھی کچھ ایسا لگتا ہے کہ......"۔

"تمہارا دماغی خلل ہے...... چلو مان ہی لیتے ہیں کہ وہ تم سے کچھ چھپاتی ہے لیکن اس سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے......؟"

"کمال ہے یار تمہارا بھی...... کیا یہ احساس کسی مرد کے لئے سوہان روح نہیں......؟"

"دیکھ پیارے سنتوش، عورت تمہاری کوئی پراپرٹی نہیں، وہ ایک جیتا جاگتا، بولتا، دھڑکتا، احساسات سے بھرپور ایک زندہ مجسمہ ہے جس کے ابھی تم صرف جسم ہی کے مالک ہوئے ہو، اس کی آتما تک پہنچتے پہنچتے تمہیں کافی دن لگیں گے۔ فتح وشکست کی بہت سی منزلوں کے بعد ایک ایسا مقام آجائے گا جب......"۔

"میں نے تو سارے جتن کر لئے، اسے بے حد پیار دیا، اس کے سو سو ناز اٹھائے، اس کی مرضی کے خلاف اس کے جسم کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا، وہ جب بھی کوئی بحث پر اتری، جان بوجھ کر خاموش رہا۔ پھر ایسی کون سی بات ہوسکتی ہے......؟"

"یار، وہ ایک انسان ہے جو کبھی اپنے بارے میں بھی کچھ سوچ سکتی ہے۔اس کے پاس ایک ایسا دل بھی ہے جو کبھی صرف اسی کے لئے دھڑک سکتا ہے۔ابھی تک کوئی ایسا

آلہ ایجاد نہیں ہوا جس کے ذریعہ دلوں پر حکمرانی کی جا سکے۔ اس کے لئے تو یار دل ہی کو داؤ پر لگانا پڑتا ہے۔ دل کو صرف دل ہی جیت سکتا ہے اور کوئی چیز نہیں......''۔

''تو میں نے کوئی کمی دکھائی کیا......؟''

''ابھی تمہیں کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ عورت کوئی قلعہ نہیں ہے نا بھائی جس کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر کے فتح کا یقین کر لیا جائے......''۔

''مجھے تو لگتا ہے میں اس کی گہرائی تک کبھی نہیں جا سکوں گا......''۔

سنتوش کے لہجے میں خاصی مایوسی تھی۔ کمل نے اسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''اچھا تم ہی بتاؤ، وہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو وہ تم سے چھپا رہی ہے......؟''

''میں کیا بتاؤں......بس یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے......''۔

''آخر ایسا کیوں لگتا ہے......؟''

''وہ اکثر کسی خیال میں گم ہو جاتی ہے اور گھنٹوں گم رہتی ہے، پوچھو تو ٹال جاتی ہے......''۔

کسی کے سوچنے، فکر کرنے پر کون اختیار رکھ سکتا ہے۔ وہ پتھر کی مورت یا پلاسٹک کی گڑیا تو ہے نہیں کہ تم اس کے ساتھ جو چاہو، کر گزرو۔ اپنے طور پر اسے کچھ سوچنے کا حق تو ہے ہی......''۔

''صرف یہی نہیں، خاص خاص لمحات میں بھی اس کا رویہ کچھ عجیب ہو جاتا ہے......''۔

''مثلاً......؟''

''صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنا جسم میرے حوالہ کر رہی ہے......کوئی بہت اہم اور قیمتی چیز نہیں، وہ تو صرف اسی کے پاس ہے......''۔

''تمہارا یہ احساس تو خاصی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس مسئلے پر بعد میں سوچیں گے، پہلے ایک بات بتاؤ......''۔

''ضرور...... یار اچھا ہوا تم آ گئے اور میں نے اپنے دل کی تم سے کہہ ڈالی ورنہ میں تو گھٹ گھٹ کر مر رہا تھا......''۔

''یہ بتاؤ، اس احساس کو کہیں دور چھوڑ کے تم شالینی کے قریب نہیں جا سکتے......؟''

''پھر میں شالینی کے پاس کیوں جاؤں......؟ ایک سے ایک حسین جسم میں خرید سکتا ہوں اگر جسمانی ضرورت ہی سب کچھ ہے تب......؟ پھر ایک بیوی اور......''۔

''اوہ...... شالینی تمہاری بیوی ہے، تمہاری ساتھی، دوست، رفیق...... اس کے جسم کے تم مذہبی اور سماجی طور پر مالک ہو، رہی اس کی آتما اور اس کی سوچ، تو تمہیں یہ فتح کرنے ہی ہوں گے......''۔

''میری تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا، اندر اندر ٹوٹ رہا ہوں۔ شک و شبہ کی بھٹی میں جل رہا ہوں......''۔

''تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے......؟''

''میری جگہ تم ہوتے تو یہی بات ہوتی......''۔

''چھوڑ یار، تو بھی کہاں کی لے بیٹھا، میں نے اپنی بیوی کو نہیں، اس نے مجھے جیتا ہے۔ اس بیچاری کو کیا کیا جتن کرنے پڑے......''۔

''تو خوش قسمت ہے یار......''۔

''لیکن مجھے اس خوش قسمتی کو پانے کے لئے کچھ کم محنت نہیں کرنی پڑی ہے......''۔

''بے تحاشہ پینے اور ہر وقت خوبصورت لڑکیوں میں گھرے رہنے ہی کو محنت کہتے ہیں تو تو نے ضرور محنت کی ہے......''۔

''اچھا، یہ بتاؤ اتنی عیش و عشرت کی زندگی اور حسین لڑکیوں کی صحبت کو چھوڑ کر تیری بھابھی جیسی معمولی عورت کا ہو کر رہ جانا کوئی معمولی بات ہے کیا......؟''

سنتوش لاجواب ہو گیا اور سوالیہ نگاہوں سے کمل کو دیکھنے لگا۔

''اور بتاؤں سنتوش...... تمہاری بھابھی نے تو مجھ سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے البم میں بے شمار لڑکیوں کی تصویریں ہیں، انہیں وہ سنبھال کر رکھتی ہے۔ میں پھینکنا چاہتا ہوں لیکن وہ ایسا نہیں کرنے دیتی۔ کہتی ہے ان لڑکیوں سے تمہارا تعلق رہا ہے اس لئے میں ان کی تصویروں کو پھینک کیسے سکتی ہوں......''۔

''ہوسکتا ہے وہ یوں اپنے اور تمہارے زخم کو ہرا رکھنا چاہتی ہو......؟''

''ایسی بات نہیں...... وہ انجان نہیں ہے۔ وہ میری تمام تر کمزوریوں اور خامیوں سے واقف ہے۔ ان سب کے ساتھ اس نے مجھے قبول کیا ہے......''۔

''یار، وہ عورت ہے بلکہ بیوی...... اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتی ہے......؟''

''دقیانوسی بات...... وہ آج کی عورت ہے پڑھی لکھی، دولت مند، بارسوخ...... چاہتی تو مجھے بہت پہلے چھوڑ سکتی تھی۔ جو راہ میں نے اختیار کر رکھی تھی، وہی راہ اس کے لئے بھی کھلی تھی۔ لیکن وہ زندگی اور اس کے گنجلک رشتوں کی باریکیوں کو سمجھتی ہے۔ آج کی عورت مرد سے کسی طرح کم نہیں ہے میری جان......''۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟''

''تم اس پر حکومت کرنے کا خیال چھوڑ دو۔ اسے اپنا اچھا برا سوچنے کا موقع دو۔ اس کی آتما کو آزاد چھوڑ دو۔ تم اپنی حد کے اندر رہو گے تو خود بھی خوش رہو گے اور اسے بھی خوش رکھو گے......''۔

''لیکن میرا یہ احساس کہ وہ میری نہیں ہے......؟''

''تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ تمہاری نہیں ہے، پھر تمہارا یہ سوچنا کتنا غلط ہے......''۔

سنتوش چپ رہا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر ایک زبردست جنگ ہو رہی ہے۔ وہ خود ایک تماشائی ہے لیکن وہ اس کا ساتھ دے گا جو جنگ جیت لے گا۔

سنتوش کی ماں نے شالینی کو اپنے پاس بلایا۔

''ہمارے ہاں کا دستور ہے کہ چھ ماہ صرف گھومنے پھرنے اور شوہر، اس کے گھر والوں کو سمجھنے کے لئے فارغ کر دیتے ہیں۔ تمہارے تو چھ ماہ بیت گئے......''۔

''جو حکم ماں جی......''۔

شالینی نے ایک فرماں بردار بہو کی طرح سر جھکا کر کہا۔

''اب تم چوکا سنبھالو بیٹی، یہ رہیں بھنڈار کی کنجیاں، آج سے سارا انتظام تمہارے ذمے......''۔

شالینی گھبرا گئی۔

''مجھ سے اتنا بڑا کاروبار...... مجھے تو آپ کے چرنوں میں بیٹھ کر ہی شانتی ملے گی، بھگوان کی کرپا سے آپ موجود ہیں، آپ کی موجودگی میں گھر کی مالکن میں کیسے بن سکتی ہوں؟''

''نہیں...... نہیں بیٹی، اب مجھ سے یہ سب کچھ نہیں ہو سکے گا، بہت محنت کر لی میں نے۔ اب تم سنبھالو۔ میں تمہیں رائے مشورہ دیتی رہوں گی......''

''میں آپ کی سیوا کے لئے ہر دم موجود رہوں گی، لیکن یہ بھاری کنجیاں تو مجھے نہ دیجئے ماں جی، ان پر تو آپ ہی کا ادھیکار ہے......''

''تم اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ رہی ہو بہو...... اس طرح کرو گی تو کیسے کام چلے گا۔ میں بھی اس گھر میں بہو بن کر آئی تھی اور یہ ذمہ داریاں میرے سر بھی آئی تھیں، یہ تو دنیا کا دستور ہے۔ اس سے کہاں تک بھاگو گی......؟''

''میں ذمہ داریوں سے بھاگ نہیں رہی ہوں، آپ میرے ہاتھوں میں جھاڑو بھی

پکڑادیں تو میں انکار نہیں کروں گی، میں صرف آپ کے حکم پر چلنا چاہتی ہوں......''۔

''جیتی رہو......نہیں بھائی، تم جھاڑو کیوں پکڑنے لگیں، اتنے سارے نوکر چاکر کس کام کے ہیں لیکن جذبہ یہی رہنا چاہئے۔ میں تو اب تیرتھ یاترا کو نکلوں گی، سوانگ رہتے ہوئے یہ فرض پورا ہو جائے تو اچھا ہے، انتظام تو اب تمہیں ہی سنبھالنا ہوگا......''۔

شالینی نے خوف زدہ نگاہوں سے کنجیوں کے گچھے کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے بھاری تھے کہ اس کی نازک کمر میں تو لٹک ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کے چھوٹے سے پرس میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ ساس کا فیصلہ قطعی تھا، اس سے روگردانی بھی نہیں کی جاسکتی تھی سو ان کے لئے اس نے ایک مضبوط تھیلی منگوائی اور گھر کے انتظام میں جٹ گئی۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بالکل نیا نہیں تھا۔

سنتوش عام طور پر دن میں کام چلاؤ لنچ (Working Lunch) لیا کرتا۔ اس کھانے کا تعلق گھر سے نہیں تھا۔ اس کی کمپنی کی طرف سے آفیسروں کو لنچ پیکٹ ملتے۔ ان کے ساتھ وہ بھی یہی پیکٹ لیتا۔ لیکن رات کا کھانا وہ ہمیشہ گھر ہی پر کھاتا اور اس میں خاص اہتمام کیا جاتا۔

اس رات وہ ڈنر پر آیا تو کھانے کی میز پر انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں کھانے پر اس کی پوری توجہ نہیں تھی، کسی چیز کی کمی تھی یا......۔

''کیا بات ہے......؟ بھوک نہیں ہے کیا......؟''

شالینی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کھا تو رہا ہوں......''۔

سنتوش سر جھکائے ہوئے بولا۔

''یہ مٹر پنیر تو آپ نے چکھا ہی نہیں......آپ کی مرغوب ڈش......''۔

شالینی نے مٹر پنیر کا ڈونگا اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے بڑے چاؤ سے اسے بنایا تھا۔ سنتوش نے چمچہ سے لے کر اسے سونگھا، پھر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ بے دلی اس کے

چہرے سے صاف جھلک رہی تھی۔

''پسند نہیں آیا......؟''

شالینی نے پوچھا۔

''نہیں ٹھیک ہے، لیکن پتہ نہیں کیوں......''۔

''کیا بات ہے......؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا، شاید نمک......''۔

''نمک تو تمہارے سامنے ہی ہے......''۔

شالینی نے اشارہ کیا۔ سنتوش ہنس پڑا۔

''کبھی کبھی اپنی غائب دماغی پر ہنسی آجاتی ہے......''۔

''اپنے سر پر تو ہر دم کام سوار رکھتے ہو......''۔

سنتوش نے پلیٹ میں مٹر پنیر لے کر اس میں نمک چھڑکا، پھر اسے چکھا۔

''ارے، اس میں تو بہت زیادہ نمک پڑ گیا، یہ تو کھانے کے قابل بھی نہیں رہا......''۔

اس نے منہ کا نوالہ نکال دیا اور شرمندہ نگاہوں سے شالینی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کوئی بات نہیں......لیکن ٹھہرو، ذرا میں بھی تو چکھ لوں......''۔

شالینی نے ایک چمچہ مٹر پنیر منہ میں رکھا تو اسے ایک کرنٹ سا لگا۔

''نمک تو اس میں بالکل ٹھیک ہے، تمہیں کم کیسے لگا......؟''

''ہو سکتا ہے......ہو سکتا ہے مرچ کم ہو یا پھر......''۔

''سنتوش تمہیں کیا ہو گیا ہے......؟ تمہارے منہ کا مزا خراب کیوں ہو رہا ہے......؟''

شالینی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ سنتوش نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ مٹر پنیر سمیر کی پسندیدہ ڈش تھی، وہ یہ بھی کہتا کہ اس کا اصل مزا شالینی کے ہاتھوں سے

پکانے، پھر اسی کے ہاتھ سے کھانے میں ہے۔ ہوٹلوں میں جو ملتا ہے اس میں مزا کہاں......؟

''مٹر پنیر کو کیوں بدنام کرتے ہو، یوں کہو کہ......''۔

''سچ......مٹر پنیر کا مزا تمہارا ہاتھ لگ کر دوبالا ہو جاتا ہے......''۔

''یعنی اصل چیز میرے ہاتھ ہیں......؟''

''سو فیصد......''۔

''پھر میں تمہیں نمک روٹی کھلاؤں گی، پھر دیکھوں گی کہ......''۔

''میں اس روٹی نمک پر دنیا کی بڑی سی بڑی نعمت چھوڑ سکتا ہوں......''۔

سمیر نے بڑے دعوے کے ساتھ کہا۔

وہ برابر مٹر پنیر بنایا کرتی، اس بہانے سمیر کو چاؤ سے کھلانے کا موقع بھی مل جاتا۔ سب کو پتہ تھا کہ سمیر مٹر پنیر پر جان دیتا ہے۔ پھر بیچارا پردیس میں تھا۔ کبھی ہوٹل، کبھی اِدھر اُدھر، کبھی اپنے ہاتھوں ہی سے کھانا بنالیا کرتا۔

ایک مٹر پنیر ہی کیا، سمیر کو تو شالینی کے ہاتھوں کی بنائی ساری چیزیں پسند تھیں۔ وہ انہیں اس طرح مزے لے لے کر کھاتا کہ شالینی کو دیکھنے ہی میں لطف آ جاتا۔ وہ بڑے انہماک سے اسے کھاتے، چٹخارہ لیتے، انگلیاں چاٹتے دیکھتی رہتی۔ اس کا جی چاہتا سمیر یوں ہی کھاتا رہے، وہ اسے دیکھتی رہے اور وقت اسی طرح دبے پاؤں گزرتا رہے۔

''شالینی، تم تو مجھے اس قدر لذیذ کھانے کھلا کے برباد ہی کر دو گی۔ میں ٹھہرا موٹا جھوٹا کھانے والا آدمی......نفیس چیزیں مجھے راس نہیں آتیں......''۔

''واہ، میں تمہیں ایسا ویسا کیسے کھلا سکتی ہوں، اپنی آنکھوں سے......''۔

سمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ خاموش رہا لیکن اس کی خاموشی پکار پکار کے بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

سنتوش کھانا چھوڑ کر جس انداز میں اٹھا تھا، اس کی بھنک شالینی کی ساس تک بھی

پہنچ گئی تھی۔ وہ اس کے کمرے میں آ گئیں۔ شالینی ابھی نہیں آئی تھی۔

''کیوں بیٹا، آج کھانا پسند نہیں آیا......؟ بھوک نہیں تھی......؟''

''نہیں ماں، بھوک تو تھی لیکن پتہ نہیں کیوں کھانے میں کچھ مزا نہیں آیا......''۔

''بہو نے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا ہے۔ آج سے میں نے گھر کا کاروبار اس کے حوالہ کر دیا ہے......''۔

سنتوش یہ سن کر چونک گیا۔

''اس نے بنایا ہے......؟ بتایا تو نہیں اس نے۔ لیکن ضرورت کیا ہے اسے بنانے کی، نوکروں کی کچھ کمی ہو گئی ہے کیا......؟''

''نوکر چاکر ہزار رہیں، اس سے کیا۔ ایک دھرم پتنی کو کتنا شوق ہوتا ہے اپنے پتی کو اپنے ہاتھوں بنا کھانا کھلانے کا......''۔

''شالینی نے تو ایک لفظ نہیں کہا کہ اس نے......''۔

''اب بھلا وہ کیا کہتی۔ تمہیں خود سمجھ لینا چاہئے تھا اور اب بیٹا تم بھی اپنا گھر سنبھالو۔ ہم اب بوڑھے ہوئے۔ یوں بھی پچیس برسوں کی گرہستی کے بعد اپنی خواہش سے اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ گرہستی کی عمر بس اتنی ہی ہوتی ہے......''۔

''کیا پرانی دقیانوسی باتیں آپ لے بیٹھیں۔ میں تو آپ کو کبھی بوڑھا نہیں مانوں گا اور اس گھر سے آپ کی حکومت کبھی ختم نہیں ہوگی......''۔

''لو بھلا، تو گویا دونوں کی ملی سازش ہے۔ آخر تم لوگ ذمہ داری سے کیوں بھاگتے ہو، آگے تمہیں ہی سب کچھ سنبھالنا ہے نا......''۔

''لیکن اس طرح بیچ منجدھار میں ہمیں کیوں چھوڑنا چاہتی ہیں آپ......؟ کیا مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے......؟''

''ذمہ داریاں سنبھالنے کا وقت آ گیا ہے بیٹا، پھر ہم جب تک زندہ ہیں، تجھے اچھا برا سمجھاتے رہیں گے۔ اچھا ہے نا، ہمارے رہتے ہوئے تو اپنا گھر بار سنبھال لے......''۔

''لیکن میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں ہوں......''۔
یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا۔ ماں بھی مسکراتی ہوئی جانے لگیں۔ وہ انہیں سہارا دے کر ان کے کمرے تک چلا گیا۔ واپس آیا تو شالینی صوفے پر لیٹی آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہی تھی۔ سنتوش نے دبے پاؤں آگے بڑھ کر اس کے کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ سنتوش کو نظریں بھر کر دیکھا اور آہستہ آہستہ اس کے ہاتھوں کو سہلانے لگی۔

اچانک سنتوش نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ کے بے تحاشہ پیار کرنا شروع کر دیا۔ اس کے سارے جسم کو اپنے بوسوں سے نہا دیا۔ ہونٹ...... گردن...... آنکھیں...... پیشانی...... ناک...... کان...... سر...... بانہیں...... شالینی آنکھیں بند کئے سرشار رہی، سنتوش نے اس وقت اسے چھوڑا جب وہ ایک گونہ سیر ہوگیا۔

الگ ہو کر اس نے کپڑے تبدیل کرنے شروع کئے۔ شالینی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ ان میں ابلتے ہوئے شراب کی آمیزش تھی۔

''تو یہ تم تھے......؟''

اس کا لہجہ شوخ تھا، جذبات سے بھرپور......

''خادم حضور کا......''۔

سنتوش نے قدرے دبک کر سر تسلیم خم کیا۔

''میں سمجھی کہ......''۔

شالینی کے لہجے کی شوخی برقرار تھی۔

''یعنی کوئی اور بھی گستاخی کرنے کی ہمت کرسکتا ہے......؟''

بظاہر سنتوش کے لہجے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، اس نے شالینی کے مذاق ہی کو آگے بڑھایا تھا لیکن شالینی چونک اٹھی۔ اس کی یہ کیفیت ظاہری سے زیادہ اندرونی تھی۔

سنتوش نے سمیر کا نام نہیں لیا تھا، لیکن پھر بھی اسے ایسا لگا جیسے سنتوش نے بھیڑ میں کھڑے، بھیڑ میں کھوئے سمیر کی نشان دہی کر دی ہو، اس کی طرف انگلی اٹھا دیا ہو۔ ایسا شاید پہلی بار ہوا تھا۔

سنتوش تو سمیر کو دور دور سے بھی نہیں جانتا تھا، وہ نہ اس کی شادی میں آیا تھا، نہ کبھی پھر اس سے ملنے کی کوشش ہی کی تھی۔ خود شالینی کو پتہ نہیں تھا کہ سمیر اب کہاں ہے، کیا کر رہا ہے، کس حال میں ہے...... اس کے پاس تو صرف اس سمیر کی تصویر تھی جو بہت پہلے اس سے چھوٹ گیا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ وہ اب تک سمیر کو بھول نہیں پائی تھی، اس نے اس کی کوشش ضرور کی تھی لیکن سمیر تو بچھڑ کر اور ظالم بن گیا تھا۔ ایسا تو وہ کبھی نہیں تھا، ستانا تو اب اس کا پیشہ بن گیا تھا...... ہر وقت، ہر دم، ہر لحظہ...... اس کا مشق ستم کوئی اور نہیں، صرف وہ ہوتی۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب ستم ظریفی تھی کہ وہ اس کا کسی سے گلہ بھی نہیں کر سکتی تھی، کسی کو اپنا درد دکھا نہیں سکتی تھی، خود اپنے آپ کو بھی نہیں اور سمیر تو اس سے بہت دور تھا ہی......۔

لیکن سنتوش کی زبان پر ابھی کیا آ گیا......؟

سنتوش کو تو کبھی کسی بات کی بھنک بھی نہیں لگی تھی۔

اس نے جہاں جہاں اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کی ہے وہاں اسے سوائے تنہائی اور سناٹے کے اور ملا کیا ہے...... اسی لئے تو وہ ناکام نا کام سا منہ لٹکائے پھرتا ہے۔

''تم نے ایسی بات کیوں کہی......؟''

شالینی نے گمبھیر لہجے میں بہت دھیرے سے پوچھا۔

''کیسی بات......؟''

سنتوش نے حیرانی سے دریافت کیا۔ شالینی کو اس کی اداکاری اور کھلی۔

''ابھی...... ابھی تم نے کیا کہا تھا......؟''

اس کا دھیما پن برقرار تھا۔

''میں نے تو بہت سی باتیں کہی تھیں، کوئی خاص بات کہی ہو تو بتاؤ، مجھے یاد تھوڑی

رہتا ہے......''۔

''وہ......وہ گستاخی والی بات......''۔

آخر اس کے منہ سے نکل ہی گیا۔

''ارے وہ......تو تم اس پر اتنا سیریس ہو گئیں، وہ تو مذاق کی بات تھی......''۔

سنتوش نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

شالینی کو نہ جانے کیوں اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس کو سنتوش کی ہنسی طنزیہ معلوم ہوئی۔

''تم ہنسے کیوں......؟''

اس کے دل میں بیٹھا ہوا چور اسے اور ڈرا رہا تھا۔

''تمہاری بے وقوفی پر......آخر تم اتنی سہمی سہمی سی کیوں ہو......؟ کسی نے تم سے کچھ کہا ہے یا......؟''

سنتوش کہتے کہتے رک گیا۔ شالینی کے دل کی دھڑکن رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اگر وہ اپنا جملہ پورا کر دیتا تو شاید اسے اطمینان ہو جاتا۔ لیکن اس کا رکنا تو غضب ڈھا گیا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''تم نے بتایا نہیں ڈارلنگ......آج کھانا تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے......؟''

سنتوش کے لہجے میں ایسی گھلاوٹ تھی جس نے شالینی کا برف تھوڑا پگھلایا۔

''میں نے تو اپنا فرض ادا کیا......؟''

اس نے اس قدر آہستہ سے کہا جیسے صرف اپنے آپ سے مخاطب ہو۔

سنتوش کچھ نہ بولا۔ اس نے سونے سے قبل کے اپنے معمولات میں ہاتھ لگا دیئے۔ شب خوابی کا لباس زیب تن کرنا، برش کرنا اور ایک ناول لے کر لیٹ جانا......۔

شالینی صوفے ہی پر لیٹی رہی۔ وہ ناول پڑھنے میں غرق ہو گیا۔ وہ اپنے وجود کے ذرے ذرے کے ساتھ پورے انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھی۔ کافی دیر کے بعد

سنتوش نے کتاب سے نگاہیں ہٹائیں اور جمائی لیتا ہوا شالینی سے مخاطب ہوا۔

''کیوں......؟ نیند نہیں آ رہی ہے کیا......؟''

شالینی نے خاموشی سے اٹھ کر روشنی گل کر دی اور بستر پر آ کر کروٹ بدل کے لیٹ گئی۔

وہ رات اس پر بہت بھاری تھی۔

صبح سنتوش دفتر چلا گیا اور ماں جی نے شالینی کا ست چہرہ دیکھا تو گھبرا اٹھیں۔

''کیوں، طبیعت تو تمہاری ٹھیک ہے......؟''

''رات انہوں نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا، شاید انہیں میرے ہاتھوں کا بنا کھانا پسند نہیں......''۔

شالینی دھیرے سے بولی۔ وہ سوچ میں پڑ گئیں، پھر سر اٹھا کر بولیں۔

''کوئی فوری تبدیلی ہوتی ہے تو کچھ دنوں تک اس کا اثر رہتا ہے۔ دھیرے دھیرے سنتوش جب تمہارے ہاتھوں کے بنے کھانوں کا عادی ہو جائے گا تو دوسرے کھانے اسے راس ہی نہیں آئیں گے۔ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے اور اس کے گھر کی تمہیں ملکہ ہو......''۔

شالینی کے دل میں پتہ نہیں کون سا غبار تھا کہ ساس کے ہمدردی بھرے بول نے اس کا بند توڑ دیا اور وہ ان کے گلے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ اس کی ساس اس کی پیٹھ پر شفقت بھری تھپکیاں دیتی رہیں۔ کتنی دیر تک وہ یونہی سسکتی رہی اور نہ جانے کب ان کی گود میں سر رکھے سو گئی۔

وہ ایک بہت ہی خوشنما سبک سی کشتی پر دریا کی سیر کر رہی ہے۔ دریا چاروں طرف سے خوبصورت باغات اور سبزہ زاروں سے گھرا ہوا ہے۔ پھلوں اور پھولوں کی ڈالیوں پر خوبصورت پیارے پیارے پرندے چہچہا رہے ہیں۔ کشتی میں ایک مسند بچھی ہے جس پر وہ

لیٹی ہے۔ ایک خوابناک سی فضا چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے جی میں آتا ہے وہ زندگی بھر اس خواب ناکی سے باہر نہیں نکلے، ساری زندگی کشتی میں ہلکورے کھاتے گزر جائے کہ اچانک...... بالکل اچانک......۔

کشتی میں کسی ان دیکھے مقام پر ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا جس سے پانی اندر آنا شروع ہو گیا۔ کشتی میں اس کے علاوہ کوئی ہے بھی نہیں جو یہ دیکھ سکے کہ پانی آخر کیوں اور کیسے آرہا ہے۔ وہ تو ہزار کوششوں کے بعد بھی یہ دیکھ نہیں پاتی کہ پانی دھیرے دھیرے کشتی کو کھائے جا رہا ہے۔ وہ لگ بھگ ساری خوابناکیوں کو کھا چکا ہے۔ سبزہ زاروں کے پھولوں اور پھلوں کی رنگت بدل چکی ہے، چڑیوں کی چہچہاہٹ خوفناک آوازوں کا روپ اختیار کر چکی ہے، کشتی میں بچھا مسند پانی کی نذر ہو گیا ہے اور قریب ہے کہ اس کا وجود بھی پانی ہڑپ کر لے کہ اچانک ایک دوسری کشتی دریا میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ کشتی پہلی جیسی خوشنما اور سبک تو نہیں لیکن اس سے زیادہ مضبوط ہے اور پانی کے سخت اور کٹھور سینے کو روند ڈالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ ڈوبتی ہوئی کشتی کے قریب آتی ہے، ایک انجانا ہاتھ اس میں سے بڑھتا ہے اور اسے کھینچ لیتا ہے۔ وہ سخت کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ڈوبتی ہوئی کشتی سے وہ جانا بھی نہیں چاہتی اگرچہ وہ بخوبی جانتی ہے کہ وہ کشتی اب زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتی، ڈوبنا اس کا مقدر ہے۔ پھر بھی وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتی اور اپنے آپ کو بچانا بھی چاہتی ہے۔ وہ ایک عجیب صورت حال میں پھنس گئی ہے۔

وہ ایک مضبوط کشتی میں سوار تو ہو گئی ہے لیکن ڈوبتی ہوئی کشتی کو بھی تھامے ہوئے ہے جس کے سبب مضبوط کشتی کا توازن بھی بگڑ رہا ہے۔ ڈوبتی ہوئی کشتی کا زور مضبوط کشتی پر پڑ رہا ہے اور اب دونوں کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے، بلکہ بالکل قریب ہے کہ......

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی ساس پاس ہی بیٹھی ایک میگزین دیکھ رہی تھیں۔ اس کا من اُمڈ آیا۔ نہیں چاہنے پر بھی اس کی سسکیاں نکل گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی ساس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میگزین کو ایک طرف رکھا اور اسے بازوؤں

سے پکڑ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

''کیا بات ہے......؟ سونے سے پہلے بھی تم رو رہی تھیں، اٹھنے کے بعد بھی رو رہی ہو......؟''

وہ اس کے سر پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتی رہیں اور وہ آنسوؤں کے بوجھ سے اپنے آپ کو ہلکا کرتی رہی۔ بارے آنسو تھمے، وہ اپنے آپ کو کسی حد تک پرسکون کر سکی تو آہستہ سے ساس سے دریافت کیا۔

''ماں جی......دن کا خواب کیسا ہوتا ہے......؟''

''خواب دن کا ہو یا رات کا، اس کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ خواب کا دل پر اثر نہیں لینا چاہئے......''۔

''کیا کروں ماں جی......میری تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا......؟''

''آخر کون سا خواب دیکھا ہے تم نے......؟''

''کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سا......''۔

وہ چور سی بن گئی۔

''چلو بھول جاؤ جو کچھ تم نے دیکھا۔ اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کے تیار ہو جاؤ، میں ذرا بازار جانا چاہتی ہوں......''۔

تیار ہو کے وہ ان کے ساتھ بازار چلی گئی۔ اس کی ساس نے بہت سا سامان خریدا، اسے کچھ پتہ نہیں، وہ صرف ایک کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر چلتی رہی۔ وہ جیسے اپنے آپ ہی میں نہیں تھی۔

—●—

دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے بستر پر اپنی آنکھیں بند کیں تو سمیر سامنے آ کھڑا ہوا۔

''تم......؟''

اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ سی نکلی۔

سمیر کچھ نہ بولا، خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

یکا یک شالینی کے اندر کوئی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور وہ اپنی پوری طاقت سے چیخی۔

''کیوں آئے ہو یہاں......؟ فوراً یہاں سے چلے جاؤ ورنہ......''۔

چیخ سن کر اس کی ساس اس کے کمرے کی طرف دوڑیں۔ وہ اپنے بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ منہ سے سفید جھاگ نکل رہے تھے۔

انہوں نے فون پر سنتوش کو فوراً اطلاع دی۔ وہ بھاگا بھاگا آیا۔ کئی ڈاکٹر اس کے ساتھ تھے۔ معائنہ کے بعد ڈاکٹروں نے تسلی دی کہ فکر کی کوئی بات نہیں، کسی دماغی دباؤ کے سبب ایسا ہوا ہے۔

کئی گھنٹوں کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ گھر کے سبھی افراد چاروں طرف کھڑے تھے۔ اس کی خاموش نگاہیں بار بار سب کے چہروں کا طواف کرتی رہیں پھر چھت اور دروازے پر جا کر ٹک جاتیں۔ ان میں ایک عجیب ویرانی سی تھی۔

''کسی کو تلاش کر رہی ہو بیٹی......؟''

اس کی ساس نے اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ چونک پڑی۔ وہ کس کو تلاش کر رہی ہے......؟

اس کی نگاہیں سنتوش پر پڑیں اور ٹھہر سی گئیں۔ سنتوش اس کی اچانک بیماری سے پریشان ہو گیا تھا۔ شالینی کے چہرے پر طمانیت کی ایک ہلکی سی لہر آ گئی۔ شاید اسے کسی نے محسوس نہیں کیا لیکن سنتوش کو ایسا لگا شالینی اچھی ہو گئی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کے سر کے بالوں سے کھیلنے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے اب......؟''۔

''اچھی ہوں......''۔

شالینی اسی طمانیت کی لہر سے معمور لہجے میں بولی۔

اور سب ڈاکٹر تو جا چکے تھے، فیملی ڈاکٹر رہ گیا تھا۔ وہ سنتوش کو کنارے بلا کر لے گیا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں، یونہی بے ہوش ہو گئی تھیں، شاید ڈر، خوف یا پھر کوئی صدمہ......؟''

''ایسی کوئی بات ہونی تو نہیں چاہئے......؟''

سنتوش کا ذہن الجھ گیا۔

''ویسے آپ کے گھر میں کون کون رہتا ہے......؟''

''ماں جی، نوکر چاکر اور......''۔

''ساس بہو کے تعلقات تو ٹھیک ہیں......؟''

''بہت اچھے......ماں بیٹی والا......''۔

''نوکروں میں سبھی قابل اعتماد ہیں......؟''

''پرانے نوکر ہیں اور جو نئے ہیں وہ بھی پرانے نوکروں کے رشتہ دار ہیں اور انہیں کی سفارش پر رکھے گئے ہیں......''۔

''پھر بھی، ذرا سب باتوں پر دھیان رکھئے گا......اچھا ٹھہریئے، ایک بات یاد آ گئی، سوال ذرا ذاتی ہے لیکن آپ کے فیملی ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا جاننا ضروری ہے......''۔

''آپ شوق سے پوچھئے......''۔

''آپ کی محبت کی شادی ہے......؟''

''نہیں......لیکن ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں......''۔

''آپ انہیں کتنا وقت دیتے ہیں......؟''

''یہی تو مشکل ہے ڈاکٹر صاحب، میں دن بھر بزنس میں مصروف رہتا ہوں۔ البتہ......''۔

"آپ ذرا غور کیجئے سنتوش بابو ایک جوان لڑکی، جس کی ابھی حال ہی میں شادی ہوئی ہو، دن بھر ایک تنہا گھر میں جو اتفاق سے بہت بڑا بھی ہے، اپنا وقت یونہی گزارنے بلکہ برباد کرنے پر مجبور ہو، اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی......؟ بوڑھی ساس اور نوکر چاکر اس کی کتنی بھرپائی کر پاتے ہوں گے......؟ آپ رات میں یا زیادہ سے زیادہ شام کو آتے ہوں گے، آپ کو بھوک اور نیند دونوں ستاتی ہوگی۔ اس کی فکر بھی کہ صبح پھر کام پر جانا ہے......"۔

"ایسی بات نہیں۔ دراصل میں اسے......"۔

"میں سمجھ گیا، مجھ سے شرمانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کا ڈاکٹر ہوں نا، دراصل آپ جو وقت اسے دیتے ہیں وہ محض اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے......یعنی جو کچھ آپ اسے دیتے ہیں، اس سے زیادہ اس سے وصول کر لیتے ہیں...... کیوں، میں غلط کہہ رہا ہوں کیا......؟"

"لیکن ڈاکٹر صاحب، میرا بزنس ایسا ہے کہ مجھے خود ہی دیکھنا پڑتا ہے اور کوئی قابل اعتماد آدمی نہیں۔ ایسی صورت میں، میں کیا کروں......؟"

"یہ تو آپ کا مسئلہ ہے، لیکن ایک بات دریافت کرنے کی اجازت چاہوں گا......؟"

"آپ کو بار بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر صاحب، آپ تو میرے گھر کے آدمی ہیں......"۔

"آدمی پیسے کیوں کماتا ہے......؟"

"اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے......"۔

"ضرورت تو جانور بھی پورا کر لیتے ہیں......"۔

"ہر ایک کی ضرورت کا اپنا معیار ہوتا ہے نا...... اُسی کے مطابق پورا کرنا پڑتا ہے......"۔

سنتوش کو یہ سوالات بے تکے لگ رہے تھے لیکن وہ سنجیدگی سے جواب دینے پر مجبور تھا۔

"اصل چیز سکون قلب ہے مسٹر سنتوش...... آپ پیسوں سے اسے خرید تے ہیں تو آپ کا پیسہ بہت قیمتی ہے، اگر نہیں خرید پاتے تو پھر آپ کا سارا پیسہ بے کار ہے"۔

سنتوش حیرت سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو شخص ہر وقت پیسے کمانے کی دھن میں لگا رہتا ہے، وہ زندگی کے بارے میں یہ نظریہ بھی رکھ سکتا ہے۔ وہ کوئی جواب ہی نہیں دے سکا۔ ڈاکٹر نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے بزنس کی طرف سے لاپروائی برتیں۔ بس یہ یاد رکھئے کہ جس سکون اور خوشی کو آپ باہر تلاش کرتے ہیں، انہیں آپ نے اپنے گھر میں قید کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود وہ آپ کی قیدی نہیں، آپ نے اس کی قدر نہ کی تو اسے بھی آپ کی دلجوئی کی فرصت نہیں ہوگی، یہ بات یاد رکھئے......"۔

ڈاکٹر کو جب جواب میں طویل خاموشی ملی تو اس نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور شالینی کے لئے کچھ ضروری ہدایات دیتا ہوا چلا گیا۔

شالینی کی علالت کے سبب سنتوش کئی روز تک دفتر نہیں جا سکا۔ بے ہوشی کے سبب وہ خاصی کمزور ہو گئی تھی۔ وہ اپنی صحت کی طرف سے یوں بھی لاپرواواقع ہوئی تھی۔ اس لئے سنتوش نے خود ہی اس کی دیکھ بھال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نتیجہ بھی جلد ہی سامنے آ گیا۔ شالینی حیرت انگیز طور پر صحت یاب ہو گئی اور بہت جلد۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ نکھر آئی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر جس روز وہ دفتر جانے لگا تو وہ کافی اداس تھی۔ وہ اسے اب روک بھی نہیں سکتی تھی۔ سنتوش کا اپنے کام پر جانا ضروری تھا۔ اس نے شالینی کو دلاسہ دیا۔

"پریشان نہ ہونا۔ میں جلد ہی آنے کی کوشش کروں گا۔ جب جی چاہے فون کر لینا، دل گھبرائے تو لمبی ڈرائیو یا شاپنگ وغیرہ پر چلی جانا......"۔

"میں ایک اچھی بیوی بننے کی کوشش کروں گی......"۔
وہ ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
ابھی وہ سنتوش کو رخصت کر کے لیٹی ہی تھی کہ......

—●—

سمیر نے اپنا عجیب حلیہ بنا رکھا تھا، کپڑے میلے اور شکنوں سے بھرپور، داڑھی اور سر کے بال بے ترتیب انداز میں بڑھے ہوئے، آنکھیں ویران، چہرہ بے نور، ہونٹ خشک......۔

"کیا حالت بنا رکھی ہے......؟"
وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔
"شالینی، تم جس طریقے سے چاہو میرا امتحان لو لیکن اپنے آپ کو تو آزمائش میں نہ ڈالو، کیوں میری جان کے پیچھے پڑی ہو تم......؟"
وہ ہنس پڑی۔
"بیمار ہونا نہ ہونا اپنے ہاتھ میں ہے کیا......؟ اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں، دیکھو، کیسے ہنس رہی ہوں......"۔
"میں تمہیں دیکھنے کے لئے کتنا تڑپا لیکن......"۔
"تمہیں آنے سے کسی نے روکا تو نہیں، سنتوش نے بھی نہیں......؟"
"پھر بھی......"۔
"تم ایک بار تو چلے آتے......"۔
"یقین مانو، اس عرصہ میں، میں نے کوئی کام نہیں کیا، نہ کھانا، نہ پینا، نہ سونا...... اپنی شکل وصورت کی فکر بھی نہیں کی......"۔
"کیا فائدہ ہوا یوں پریشان ہونے کا اور سمیر، اس قدر پریشان ہو گے تو پھر...... ابھی تو تمہیں حالات کے سخت اور جابر دیواروں سے ٹکرانا ہے، توڑ دینا ہے انہیں، اکھاڑ

کے پھینک دینا ہے انہیں......''۔

بولتے بولتے وہ بھی جوش میں آ گئی۔

''جانتی ہو شالینی، تم مجھے مل جاتیں تو میں کیا کرتا......؟''

سمیر نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ اس نے بات کو موڑنے کی خوبصورت کوشش کی تھی۔

''مجھے سامنے بیٹھا کر دیکھتے رہتے بس......''۔

''بے شک......تم ہی تو میری طاقت ہو، اس طاقت کے بغیر تو میں بالکل بے کار ہوں......''۔

''اچھا، یہ بتاؤ، پھر تو تم کوئی کام ہی نہیں کرتے......''۔

''میں ایسا کوئی کام نہیں کرتا جس میں مجھے تم سے دور رہنا پڑتا، میں بے کار رہنے کو ترجیح دیتا لیکن......''۔

''بے کار رہتے تو پھر کھاتے کہاں سے......؟''

وہ بھی باقاعدہ جرح کر رہی تھی۔

''وہ پھر سوچتے......''۔

''پھر وہی فرار والی بات......''۔

''تم مل جاتیں تو بھوک پیاس کہاں لگتی، روح سیر ہو جاتی اور پھر......''۔

''زمین پر آ جاؤ پیارے سمیر......ہواؤں میں بہت اڑ چکے......''۔

''تم ساتھ دو تو میں ہمیشہ ہواؤں میں اڑتا رہوں......''۔

''یعنی میری موجودگی میں تم زمین پر اتر ہی نہیں سکتے اور ہواؤں میں تیرتی دنیا روٹی نہیں دیتی، صرف اس کی خوشبو دیتی ہے......''۔

''دیکھو، شالینی، روٹی کا مسئلہ تو ازل سے ابد تک کا ہے، لیکن اس کے لئے سوچ سوچ کے ہلکان کیوں ہوا جائے؟ جب اس مسئلے کا سامنا ہوگا تو دیکھ لیں گے......''۔

''تمہارے آثار تو ایسے دکھائی نہیں دیتے......''۔

''وقت آیا تو میں تمہارے لئے پہاڑ کھود کر نہر بھی نکال سکتا ہوں......''۔

سمیر کے لہجے میں پتہ نہیں کون سا جادو تھا کہ وہ سرشار ہوگئی۔

''اوہ سمیر، تم بولتے ہو تو جی چاہتا ہے کہ بس بولتے ہی رہو، تمہاری باتیں کبھی ختم نہ ہوں، زندگی یونہی گزر جائے، کانوں میں تمہاری آواز پڑتی رہے......''۔

''اٹھو بیٹی، نیند میں کیا کیا بڑبڑا رہی ہو......؟''

اس کی ساس اس کے پیروں کو ہلکے ہلکے دبا رہی تھیں، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''اُف، میں یونہی لیٹ گئی تھی کہ نیند آ گئی، کیا وقت ہو گیا ماں جی......؟''

''دوپہر شروع ہونے والی ہے......''۔

اس کی ساس نے مسکرا کر اطلاع دی۔

''ارے......تو میں دو گھنٹے سوتی رہی......''۔

''کوئی بات نہیں، ابھی تمہیں آرام ہی کرنا چاہئے۔ اب جلدی سے منہ ہاتھ دھو کے تیار ہو جاؤ، کھانے کا وقت ہو رہا ہے......''۔

وہ فریش ہونے کی نیت سے غسل خانے میں گئی تو اسے خیال آیا کہ کیوں نہ نہا لیا جائے، تازگی آ جائے گی......اس کے ذہن میں اس کے ساتھ ایک اور خیال آیا، پھر اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

کافی دیر تک خوشبودار صابن اور روح افزا نوشتوں کے جھاگ سے اپنے جسم کو گلاب کی ایک انوکھی پنکھڑی بنا کر نکلی تو بہت ہلکی پھلکی تھی، قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر دیر تک مختلف لوازمات سے اپنے جسم کو نوازتی رہی، پسندیدہ کپڑوں میں سے ایک کا انتخاب کیا اور جب ہر طرح سے مطمئن ہو گئی تو ایک بار پھر وہی بے ساختہ مسکراہٹ ہونٹوں پر رینگنے لگی۔

''شکایت رہتی ہے مہاشے جی کو، میں زیادہ بن ٹھن کے نہیں رہتی، بہت زیادہ مہکتی

چہکتی نہیں، ان کے دوستوں اور ان کی بیویوں سے زیادہ گھلتی ملتی نہیں...... ایک بیزار بیزار سی بیوی دکھائی دینے لگی ہوں، گھر کی چہار دیواری میں خود ساختہ قید میں رہنے والی، کبھی سنیما جانے کی ضد نہیں کرتی، شاپنگ کے لئے نہیں جاتی، بے جا فرمائشیں نہیں کرتی، صرف بحث کرتی ہوں، قائل کبھی نہیں ہوتی......۔

چلو آج ان کی ساری شکایتیں دور کردوں، آج وہ مجھے سنیما بھی لے جائیں، سیر و تفریح کے لئے بھی چلیں، آج وہ جہاں چاہیں لے چلیں، مجھے بھی پتہ چلے کہ ان کے دل کی گہرائیوں میں کیا چھپا ہے، ان کے اندر کتنی ہمت اور تڑپ ہے، وہ مجھے کہاں تک لے کر جا سکتے ہیں۔

اس نے سنتوش کے دفتر فون کیا۔ اس کے ایک اسسٹنٹ نے اٹھایا۔

''صاحب موجود نہیں ہیں......''۔

''کہاں گئے ہیں......؟''

''سائٹ پر، ایک ٹیم کے ساتھ گئے ہیں......''۔

''کتنی دیر میں آئیں گے......؟''

''کچھ کہہ کر نہیں گئے......''۔

''آجائیں تو گھر پر فون کرنے کو کہنا، کچھ ضروری کام ہے......''۔

اس نے فون رکھ دیا۔ سنتوش کام پر جاتے وقت موبائل نہیں رکھتا تھا۔

وہ آسمان سے خاموشی کے ساتھ زمین پر اُتر آئی۔ جی چاہا کہ سارے کپڑے اتار پھینکے، میک اَپ نوچ ڈالے اور نری بیوی کی طرح چولہا چوکا میں جٹ جائے لیکن...... ابھی ایک فون کا آسرا باقی تھا۔

کھانے کے وقت اس کی ساس نے اسے پکارا تو وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگئی۔ انہوں نے اسے اس قدر بنی ٹھنی دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے چونکیں۔ دھیرے سے انہوں نے دریافت کیا—

''کہیں جانے کا ارادہ ہے کیا......؟''

''جی......''۔

وہ گڑبڑا گئی۔

''انہوں نے کہا تھا کہ جلد ہی لوٹ آئیں گے، شاید کہیں جانے کا ارادہ ہے......''۔

اس نے نظریں نیچی رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر تو وہ کھانا بھی کھائے گا، اس کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوا ہے......''۔

ماں کا دل فکر مند ہو اٹھا۔

''وہ شاید کھانا کھا کے آئیں گے......''۔

وہ بڑی صفائی سے جھوٹ بول گئی۔

کھانے سے فارغ ہو کر شالینی نے پھر فون کیا تو پتہ چلا کہ سنتوش موجود تو ہے لیکن اس سے بات نہیں ہو سکتی، ایک ضروری میٹنگ میں مصروف ہے۔

غصہ تو اسے بہت آیا لیکن جب ٹھنڈے دل سے اس نے غور کیا تو احساس ہوا کہ سنتوش کا اس میں کیا قصور، اسے تو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ اس نے فون کیا تھا، اسے اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ وہ اس کے دفتر کے ماحول سے واقف نہیں تھی، پتہ نہیں سنتوش نے کس طرح کا سیٹ اَپ بنا رکھا ہے، اس کی کیا ہدایات ہیں اور اس سے براہ راست بات کرنے کی کیا ترکیب ہے......۔

سہ پہر کو اس نے تیسری بار فون کیا تو خوش قسمتی سے سنتوش مل گیا۔

''واہ جی، آپ نے تو آسانی سے کہہ دیا جی گھبرائے تو فون کر لینا، آپ سے تو بات ہی کرنا مشکل ہے۔ میں جانتی تو کبھی فون نہ کرتی......''۔

''حضور، آپ کے اس خادم نے کوئی چھوٹی موٹی دوکان نہیں کھول رکھی ہے، پورا ایمپائر ہے ایمپائر......اچھا اب فرمایئے کیا حکم ہے......؟''

'فوراً چلے آیئے......''۔

’’چلا آؤں……؟ ابھی……؟……فوراً……؟‘‘

’’کیوں……؟ تعجب کی کیا بات ہے……؟‘‘

’’کوئی بات نہیں، لیکن پھر بھی……؟‘‘

’’میں آپ کو اس وقت یاد کر رہی ہوں، کیا یہ کوئی خاص بات نہیں……؟‘‘

’’ہے کیوں نہیں، لیکن میرا مطلب ہے……‘‘۔

’’کوئی مطلب وطلب نہیں، میں تمہیں شدت سے یاد کر رہی ہوں بس……‘‘۔

’’ڈارلنگ، بات یہ ہے کہ……‘‘۔

’’تم اس بات کو اہمیت دیتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ……‘‘۔

’’ڈارلنگ، بات سمجھنے کی کوشش کرو، ایک ضروری ٹیم باہر سے آئی ہوئی ہے، اس کے ساتھ ایک اہم میٹنگ ہے، estimate وغیرہ بنوا کر آج ہی ان کے حوالہ کر دینا ہے……‘‘۔

’’سنتوش، ایک بات بتاؤ……؟‘‘

’’میں سو باتیں بتانے کو تیار ہوں……‘‘۔

’’کون سا دن ہوتا ہے جب تم مصروف نہیں ہوتے……؟ تمہیں تو چین سے گھر کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا……تم اپنی مصروفیت کے انبار میں سے کون سا ایسا دن نکالو گے جب تم ایک دم فری ہو گے……؟‘‘

’’ڈارلنگ، بات سمجھنے کی کوشش کرو، ہمارا بزنس اب بہت پھیل چکا ہے، کام کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے، میں کیا کروں، تم ہی بتاؤ……؟‘‘

’’نہیں……تم اپنے بزنس کو خوب پھیلاؤ، زمین سے آسمان تک……اربوں میں کھیلو، دنیا کے سب سے مصروف آدمی بن جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے پاس میرے لئے ایک لمحہ بھی نہ بچے، ایسے سارے لمحوں کو روپے کی بھٹی میں جھونک دو……‘‘۔

’’شالینی، میں یہ سب کس کے لئے کر رہا ہوں……؟ تمہارے ہی لئے نا……؟‘‘

''میرے لئے......؟ ہرگز نہیں......میرے کپڑوں کے لئے، میرے زیوروں کے لئے، کار کے لئے، بنگلے کے لئے، فورن ٹور کے لئے......میرے لئے ہرگز نہیں......''۔

''شالینی، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، تم اس وقت آرام کرو، میں سویرے آنے کی پوری کوشش کروں گا......''۔

سنتوش نے فون رکھ دیا۔ لیکن شالینی کا غبار ابھی کہاں نکلا تھا، ابھی تو اس نے نکلنا شروع ہی کیا تھا، اس نے پھر فوراً ڈائل کیا۔ فون سنتوش کے اسسٹنٹ نے اٹھایا۔

''صاحب تو گرین روم میں چلے گئے......''۔

''تو کیا ہوا، ان سے فوراً بات کراؤ......''۔

''میڈم، گرین روم میں انہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔ یہ ان کا سخت حکم ہے......''۔

''بھگوان بھی نہیں......؟''

لیکن اس سے پہلے اسسٹنٹ فون رکھ چکا تھا۔

شالینی تلملا کر رہ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ فون کو اٹھا کے پٹخ دے۔ پھر خیال آیا کہ بچارے فون کا کیا قصور......قصور تو......۔

وہ غصہ میں بھری ہوئی اپنے کمرے میں گئی، دروازہ اندر سے بند کر لیا اور جسم کے ایک ایک کپڑے اور زیور کو نوچ نوچ کے پھینک دیا۔ اس مہم میں بہت سے نازک زیور دم توڑ گئے۔ آنسوؤں اور غصے کے سیاہ دھویں نے اس کے کومل سے بدن کو اجاڑ کے رکھ دیا۔ اچانک اس کی نگاہیں آئینے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی خوبصورتی اور دلکشی اب بھی برقرار تھی۔ اسے یہ چیزیں ایک آنکھ نہیں بھائیں۔ اس نے ایک بے حد پرانا، میلا کچیلا میکسی نکالا اور ایک ہی جھٹکے میں اسے گلے میں ڈال لیا، پھر جو نگاہیں آئینے پر پڑیں تو کافی فرق آ گیا تھا۔ اپنے آپ کو یوں اجاڑ کے اسے کافی سکون سا محسوس ہوا۔ اس نے دروازہ کھول دیا، اس کی ساس دروازے ہی پر کھڑی تھیں......شاید اسی کے

انتظار میں...... اسے دیکھتے ہی وہ چونک اٹھیں۔

نگاہیں نیچی کیے وہ اطمینان سے کھڑی رہی، اس کی ساس تھوڑی دیر خاموش رہیں، پھر آہستہ سے خود ہی بولیں —

''میں تو جانتی ہی تھی اسے کہاں اتنی فرصت...... میں اس کے لئے ساری زندگی ترستی رہی، ایک بزنس مین کو بھلا گھر کے بارے میں سوچنے کا وقت کہاں......؟''

وہ چپ ہو گئیں، دیر تک چپ رہیں، شالینی کو افسوس ہونے لگا، اس نے ناحق انہیں تکلیف پہنچائی۔

وہ اس کے کمرے میں آ کر اس کے بستر پر بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھی رہیں، پھر جیسے اپنے آپ سے مخاطب ہوئیں —

''میں اس گھر میں آئی تو میں نے کیا پایا......؟ عمدہ سے عمدہ کپڑے، اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے، بیش قیمت زیور، مہنگی سے مہنگی موٹر، بہترین مکان...... لیکن شوہر کی توجہ......؟ وہ جان توڑ محنت کرتے تھے، اتنا بڑا ایمپائر ان کا سپنا تھا، دیر رات میں آتے بالکل تھکے ہارے، بے سدھ بستر پر گر جاتے...... تم تو خوش قسمت ہو بیٹی کہ سنتوش تم سے دو وقت ہنس بول لیتا ہے، دو گھڑی تمہارے ساتھ گزار لیتا ہے، تمہیں ہنی مون پر بھی لے گیا، فون پر تمہاری خیریت پوچھتا رہتا ہے۔ میں تو ان چیزوں سے ہمیشہ محروم رہی......''۔

شالینی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی دھن میں بول رہی تھیں۔ شالینی آج تک انہیں ایک خوش و خرم، مطمئن اور اپنے آپ میں مست خاتون سمجھتی رہی لیکن وہ تو اندر سے ایک ٹوٹی اور لٹی پٹی عورت نکلیں......

وہ اپنی بھڑاس نکال کر بھی کچھ دیر یونہی بیٹھی رہیں، پھر اٹھ کر چلی گئیں۔ شالینی سے ان کی کوئی بات نہیں ہوئی، شاید ضرورت بھی نہیں تھی۔ ان کے جانے کے بعد اچانک اس کی نظر آئینے پر پڑی تو اسے بڑا عجیب سا لگا۔ وہ اس قدر خستہ اور معمولی کپڑوں میں تھی، کم سے کم نارمل لباس میں تو اسے ہونا ہی چاہئے تھا۔

—●—

ماں نے آنگن میں ڈھیر سا گیہوں پیار کر اسے چھننے کو بیٹھا دیا تھا، وہ ایک بے حد معمولی سے لباس میں اپنے کام میں جٹی ہوئی تھی کہ اچانک سمیر آ گیا۔ وہ جھینپ کر بھاگنے ہی والی تھی کہ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ سمیر سے ہزار بے تکلفی سہی لیکن وہ اس قسم کے کپڑوں میں کسی کے سامنے آنا پسند نہیں کرتی تھی۔

''میں بس پانچ منٹ میں آئی......''۔

''میں جانتا ہوں تم کپڑے تبدیل کر کے آؤ گی، لیکن یہی تو میں نہیں چاہتا......''۔

''کیوں...... یہ کون سی بات ہوئی بھلا......؟''

''بس تم مجھے انہیں کپڑوں میں اس قدر اچھی لگ رہی ہو کہ......''۔

''اس لباس میں تو میں اپنی نوکرانی کو بھی کسی کے سامنے جانے نہیں دوں اور آپ ہیں کہ......''۔

''بات یہ ہے شالینی کہ تمہاری خوبصورتی کسی چیز کی محتاج نہیں، لباس کا حسن تم سے ہے......''۔

''یہ سب شاعری ہے، ہوائی باتیں......''۔

''میں تمہیں یوں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری نگاہیں تم پر پڑے، کپڑوں پر نہیں، لباس شخصیت پر حاوی ہو جائے، یہ مجھے اچھا نہیں لگتا......''۔

''یعنی میں کوئی اچھا لباس پہن لوں تو لوگ میرے کپڑوں کو دیکھیں گے، مجھے نہیں......''۔

''نہیں...... تم غلط سمجھیں، دراصل زیور اور کپڑے تمہارے محتاج ہیں، تم کیوں

انہیں حسن عطا کرو، اپنے حسن کو فطری کیوں نہ رہنے دو......؟''

''یعنی میں کپڑے پہننا چھوڑ ہی دوں......؟''

شالینی نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

''میں ہاں کہنے کی ہمت کہاں سے لاؤں......؟''

سمیر کا لہجہ بھی شوخی سے بھرا ہوا تھا۔

''مان لو اگر ہمت آجائے......؟''

''تو میں تمہیں گود میں نہ اٹھالوں......''۔

''اس کم ہمتی پر اتنی بڑی باتیں......''۔

''تو لو دیکھ لو میری ہمت......''۔

سمیر اس کی طرف لپکا، وہ اندر کی طرف بھاگی اور باہر آتی ہوئی ماں سے ٹکرا گئی۔

''ارے......ارے، ہوش میں ہو......؟ باہر سمیر بیٹھا ہے اور تم...... پڑھ لکھ کر بھی......''۔

ماں کی ڈانٹ سن کر سمیر یوں سمٹ کر بیٹھ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ماں کے باہر آتے ہی اس نے ان کی صحت اور موسم وغیرہ کے بارے میں باتیں شروع کردیں۔

شالینی کپڑے تبدیل کر کے آئی تو وہ جا رہا تھا۔ شالینی کو اچھے کپڑوں میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔ شالینی اس کی اس کیفیت سے خاصی محظوظ ہوئی اور ماں کی نگاہیں بچا کر اس نے سمیر کا منہ چڑا دیا۔

—●—

سنتوش حسب معمول رات کے کھانے سے کچھ دیر قبل گھر پہنچا تو شالینی وہی میکسی پہنے صوفے پر ایک فلمی رسالہ لئے بیٹھی تھی۔

''سوری ڈارلنگ، تم جانتی ہی ہو ہم بزنس مین کی زندگی......''۔

سنتوش نے معذرت کرنے کی کوشش کی۔ شالینی نے لاپروائی سے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، جیسے وہ بالکل انجان ہو۔ منہ سے کچھ بولی نہیں۔

''جانتا ہوں، ناراض ہو لیکن آج میں تمہارے سارے نقصانات کی تلافی کر دوں گا......''۔

سنتوش نے ایک آنکھ داب کر خاص انداز سے مسکرانے کی کوشش کی۔

''میں سمجھی نہیں...... ناراضگی کیسی......؟ میں تو وہی ہوں جو کل تھی، جو پرسوں تھی، جو......''۔

شالینی نے کوشش تو پوری کی کہ اس کے لب و لہجے میں کوئی تلخی نہ آئے، لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی کہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔

''ارے...... ارے، اتنا غصہ......؟ ڈارلنگ جلدی سے غصہ تھوک دو، کھانا کھلاؤ، تمہاری ناراضگی بھی دور کرنی ہے......''۔

سنتوش نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''تم بار بار اپنے حق کا اظہار کر رہے ہو، مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہے، تم مرد ہو نا......''۔

اس کے لہجے میں پھر وہی بات آ گئی جس کے نہ آنے کی اس نے پوری کوشش کی تھی، شاید سنتوش کو اتنا قریب پا کر اسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔

''تمہارا کوئی حق نہیں ہے مجھ پر......؟''

سنتوش نے پیار بھری سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''یہ تو میں نہیں جانتی...... ہاں تمہارا حق مجھ پر بہت ہے اور میں تمہیں اس حق کے استعمال سے روک نہیں سکتی......''۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں شالینی......؟''

سنتوش نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور صوفے پر بیٹھ کر اپنے جوتے کے تسمے کھولنے لگا۔

—●—

شالینی کے اندر کوئی تھا ضرور جو چپکے چپکے اس سے باتیں کرتا رہتا۔

بہت پہلے جب اس کا بچپن تھا، اس وقت بھی اس کے اندر کوئی تھا لیکن شاید وہ بھی اس وقت بچہ تھا کہ اسے خوبصورت پھولوں کو توڑنے کے لئے اکساتا رہتا، راہ چلتے کوئی درخت نظر آتا تو پھل توڑنے کے لئے مچل اٹھتا، ہزار منع کرنے کے باوجود طرح طرح کی من مانی کرنے کی صلاح دیتا رہتا۔ وہ بڑی ہوئی تو وہ بھی بڑا ہوا۔ سمیر سے اس کا ایک تعلق ہوا تو اسے قدم قدم پر رائے مشوروں سے نوازتا رہا...... بلکہ تقریباً ہر بات میں ٹانگ اڑا دیتا۔ سمیر اسے بہت بزدل اور بے وقوف نظر آتا جو عشق تو کر سکتا ہے، اس کا اظہار نہیں کر سکتا، جان دے سکتا ہے، دنیا سے لڑ نہیں سکتا، پہاڑ سر کر سکتا ہے، ایک کھائی کو پار نہیں کر سکتا، اسے چاہ سکتا ہے، اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

وہ سمیر کے بارے میں اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتی، سمیر اور مردوں جیسا نہیں، وہ ایک اعلیٰ اور معیاری شخص ہے، اس کی محبت بھی اونچے درجے کی چیز ہے، وہ ایک محتاط آدمی ہے اور عامیانہ حرکتیں نہیں کر سکتا...... سوچ سوچ کے کچھ دیر کے لئے وہ مطمئن ہو جاتی لیکن فوراً ہی بعد اس کے اندر کا 'وہ' اس کے سکون کو غارت کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا۔

سمیر کا انداز بالکل غیر فطری ہے۔ وہ جس اونچی سطح پر دکھائی دیتا ہے، وہاں بھگوان سے محبت کی جاتی ہے یا پھر ماں جیسی مقدس ہستی سے...... پھر وہ اسے دیوی کا روپ دینے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اس طرح وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہرگز نہیں جانتا کہ اتنی اونچی سطح پر پہنچ کے وہ کیا کر رہا ہے، وہ اس اونچائی تک پہنچا ہی کیوں...... ؟ انسان دیوی دیوتا کا روپ کیسے دھار سکتا ہے، صنم خانوں میں بتوں کی کچھ

کمی ہوگئی ہے کیا جو شالینی مندر کی مسند پر جا براجے......؟

وہ ایک گوشت پوست کی، دھڑکتے، مچلتے دل کی مالک، ایک نوجوان لڑکی ہے۔ اس کے دل میں بھی آرزوؤں اور تمناؤں کی ایک دنیا آباد ہے، چاہے جانے کی خواہش سے وہ بھی لبریز ہے۔ ایک نوجوان اسے چاہتا بھی ہے، فطری طور پر اس کے دل کے مندر میں ارمانوں کے لاتعداد چراغ جل اٹھے ہیں، لیکن نوجوان اس سے دور دور رہتا ہے، وہ اسے اپنے بازوؤں میں نہیں بھینچتا، تنہائی میں موقع پا کر اسے نہیں چومتا، وہ اس کے حسن کی بارگاہ میں لمبے لمبے شعر ضرور پڑھتا ہے لیکن ہاتھ بڑھا کر اس حسن کو چھونے کی اس میں ہمت نہیں۔ وہ اس کے اندر آگ لگا کر دور کھڑا تماشہ دیکھتا ہے۔ وہ اذیت پسند ہے، دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو تکلیف پہنچا کر اسے خوشی ہوتی ہے، اس نے کبھی یہ سوچا کہ جس دل میں اس نے یوں آگ لگائی ہے، وہ دل تو اس میں جل ہی جائے گا۔ جب آگ پھیلے گی تو کیا صرف دل ہی جلے گا، اس کے ساتھ جان نہیں جل جائے گی، جان کے ساتھ دنیا نہیں جل جائے گی......؟

اس نے آگ کے اس کھیل میں اپنے ہاتھ تاپ کر ایسا گناہ کیا ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ وہ ایک تنہا نوجوان تھا، غریب اور بے سہارا...... خود کو زندہ رکھنے کے لئے دنیا کے سمندر میں ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اسے ایک ساتھی کی سخت ضرورت تھی۔ اسے ایک حسین ساتھی کہاں سے ملتا......؟ اس نے اپنے دوست ہی کی بہن کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا، ایک اچھا خاصہ ڈھونگ رچا، اس کا وقت خوب کٹا، پھر کیا ہے، اب تو وہ اس فن میں ماہر ہوگیا ہے، ایک ساتھی پھر ڈھونڈ لے گا۔

اور وہ......

شالینی......

سمیر سے اس نے محبت نہیں کی، اس کے قدموں میں اپنا دل رکھ دیا، اس کے پاس ہفت اقلیم کی دولت نہیں تھی ورنہ وہ اس کی قربانی دینے سے بھی باز نہیں آتی، اس کے پاس جو

کچھ بھی تھا، وہ اس نے اس کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ وہ اس کی چن کر لائی ہوئی سیپیاں پا کر کتنی خوش ہوتی تھی۔ سمیر نے اسے کبھی ہاتھ نہیں لگایا کہ کہیں وہ میلی نہ ہو جائے، اس نے اس کے جسم اور روح دونوں کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ وہ اس کے جذبات اور تنہائی سے فائدہ اٹھانے کی سوچ لیتا تو پھر اس کے لئے کون سی رکاوٹ تھی......؟

کیا آج وہ سنتوش کے سامنے اپنے آلودہ جسم اور زخمی روح کے ساتھ تن کے کھڑی ہو سکتی تھی......؟

کیا وہ سنتوش سے پیار بھرے سلوک کی توقع رکھنے میں حق بہ جانب ہوتی......؟

اس پر تو سمیر کے احسانات لد گئے ہیں جن سے اس کا ابھرنا مشکل ہے۔

اس نے اس سے محبت ضرور کی، لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس کی راہ میں اتنی رکاوٹیں ہیں کہ اس کی ساری زندگی گزر جائے گی، پھر بھی وہ انہیں ہٹا نہیں سکے گا۔ اسی وقت اس نے اپنی پہچان کر لی اور شالینی کی ایک بیش قیمت ہیرے کی طرح حفاظت پر کمر بستہ ہو گیا، جس کا نتیجہ تھا کہ آج شالینی کا سر سنتوش کے سامنے اونچا تھا۔

سمیر اور اس کے درمیان دل کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن جسمانی رشتے کے ہر امکان میں اس کا چہرہ اس کے سامنے ابھر آتا تھا۔

ایسا کیوں ہوتا تھا......؟

یہ بات ہزار سوچنے پر بھی اس کی سمجھ میں نہ آتی اور یہی چیز اس کی پریشانی کا باعث تھی۔ سمیر سے اس کا تعلق دل کا تھا تو پھر دل ہی تک محدود رہتا اور دل کی بات کون جان سکتا ہے۔ یہاں معاملہ جسم تک آ پہنچا تھا جس کی پکار اسے ہر چہار طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ سمیر کا وہ جسم اس کا آئیڈیل بن گیا تھا جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تو سنتوش تھا، ایک بھرپور مرد...... ایک مکمل مرد...... وہ جب اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتا تو اس کے بھاگنے کے سبھی راستے بند ہو جاتے، وہ جب اس پر چھا جاتا تو اس کی شخصیت اور زندگی کے سارے جانے انجانے گوشے اس میں چھپ جاتے۔

سنتوش کے علاوہ کسی اور مرد کو اس نے اس قدر نزدیک سے نہیں دیکھا تھا۔ سمیر کو کچھ کچھ دیکھا تھا لیکن وہ اس سے یوں بچ بچ کے نکل جاتا کہ اسے دیکھنے کا حوصلہ ہی اس کے اندر دم توڑ دیتا۔ پھر بھی جانے کیا بات تھی کہ سنتوش میں اسے ایک نامعلوم سی کمی محسوس ہوتی اور کمی کے سبب جو جگہ خالی ہوتی وہاں سمیر نظر آتا۔ سنتوش کی اس کمی کو وہ طرح طرح کے معنی پہناتی......

سنتوش کی تاجرانہ مصروفیت.........

سنتوش کی ذاتی مصروفیت.........

اس کے دن، اس کے رات.........

اس کا اپنا انداز.........

....

کوئی معنی بھی ٹھہر نہیں پاتا تھا کیوں کہ ایک بات سامنے آتی تو فوراً ہی دوسری بات اس کی جگہ پر آجاتی۔

وہ سنتوش کی دھرم پتنی تھی، اس کے رویں رویں پر سنتوش کا حق اور اختیار تھا۔ وہ اس سے کسی طرح انکار نہیں کر سکتی تھی لیکن عالم تصور میں سمیر کے ساتھ اس کا جو خود سپردگی کا انداز ہوتا، وہ کیفیت سنتوش کے ساتھ بالکل نہیں تھی، سنتوش کے لئے اس کا والہانہ پن اسی وقت اجاگر ہوتا جب وہ اپنے تصور میں سنتوش کو سمیر کا روپ عطا کر دیتی۔ سنتوش میں جب تک اسے سمیر نظر آتا وہ اس کے قدموں میں اپنا دل و جان لے کر حاضر رہتی۔ جیسے ہی سنتوش میں اسے سنتوش ہی دکھائی دیتا وہ اپنا سب کچھ سمیٹ کر اٹھ جاتی، اس کے ذہن میں مرد کا جو بھی تصور تھا اس میں صرف سمیر ہی فٹ ہوتا تھا۔ تصور کا یہ چوکھٹا کچھ ایسا مخصوص تھا کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ قسمت نے اسے سنتوش کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا تو وہ بھی بہت ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اسے اس چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش کرتی۔ اس میں اسے ابھی تک ناکامی ہی ہاتھ آئی تھی۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ اس

کے داخلی عمل میں سنتوش کا کوئی اہم کردار نہیں تھا، وہ ایک بے خبری کے عالم میں تھا۔ وہ اس کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھتا۔ شالینی جیسی خوبصورت، ذہین اور پڑھی لکھی بیوی پا کر وہ واقعی بہت خوش تھا۔ وہ اس کی ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتا۔ وہ اس کے چہرے پر اداسی کی ایک ہلکی پرت بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ سنتوش گھر میں داخل ہوا اور وہ دوڑ کر اس کے سینے سے لگ جاتی، وہ بھی اسے بڑے خلوص کے ساتھ لپٹا لیتا، پھر فوراً ہی اسے احساس ہو جاتا کہ یہ تو...... پھر بھی وہ اپنا فرض سمجھ کر اس میں دبکی رہتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ سنتوش اسے آتا دکھائی دیتا تو اس کی پشت پر ذرا اونچائی پر اسے سمیر نظر آ جاتا اور وہ سنتوش کے سامنے جھک جاتی۔ یہاں تک کہ سنتوش اسے اٹھا لیتا اور اس کی آنکھیں جیسے کھل جاتیں۔ اس کے بعد بھی وہ سنتوش کے سامنے ہتھیار ڈالے رہتی اور اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑے رہتی..........۔

ان ہاتھوں کی مضبوطی سے اس کے اندر ایک اعتماد سا بھر جاتا۔ اس کے اندر زندگی سے سمجھوتہ کرنے کی ایک جدوجہد شروع ہو جاتی، لیکن سنتوش سنتوش تھا، سمیر سمیر، سنتوش میں سمیر آخر کب تک دکھائی دیتا، دونوں علیحدہ شخصیتیں تھیں۔ اس نے دونوں کو الگ الگ دیکھنے کی کوشش کی تو اسے شدت کے ساتھ کچھ کھونے، کچھ پانے کا احساس ہوا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، وہ شروع سے تنہا ہے۔

انجانے پن میں ایک دہری زندگی اس پر لد گئی تھی۔ اس نے اس کو اپنی زندگی کا ایک روشن باب سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ اس کے نازک کندھوں پر یہ بوجھ کافی بھاری تھا...... ولولہ، جوش اور جذبے کی شدت نے اس بوجھ کو محسوس نہیں ہونے دیا، لیکن کب تک......؟ دراصل وہ اس بوجھ کے نیچے اس لئے دبی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے وجود کے ایک حصے کو اندر سے باہر نکال رکھا تھا، لیکن اب اسے اس بوجھ کی شدت اور اذیت کا احساس چبھ رہا تھا، وہ صدق دل سے چاہتی تھی کہ اس کے نیچے سے نکل آئے۔ یہ بوجھ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

لیکن اس سے فوراً نکل آنا اتنا آسان تو نہیں تھا......؟

یہ تو وہ بوجھ تھا جو عرصہ تک اسے محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے بڑے شوق سے برداشت کرتی آ رہی تھی۔ برداشت کے عمل میں اس کا دل ہی نہیں، جان بھی شامل تھی۔ اب جب کہ دل اس بوجھ کو اُتار پھینکنا چاہ رہا تھا تو اس میں جان کی رفاقت بھی ضروری تھی۔

''سوچتا ہوں ڈارلنگ، تم گھر میں پڑے پڑے بور ہو جاتی ہو گی......''۔

سنتوش نے کھانے کی میز پر بات نکالی۔

''ہاں، تو......؟''

شالینی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''کیوں نہ تمہاری اپنی بھی کوئی ایسی مصروفیت ہو کہ......''۔

''تمہارے ساتھ دفتر چلوں......؟''

شالینی نے آنکھیں مٹکائیں۔

''پھر تو نہ میں کام کروں گا، نہ تم کرو گی، نہ ہمارے ورکر کریں گے......''۔

سنتوش ہنسا۔

''پھر......؟''

''کیوں نہ تم ایم اے کا امتحان دے ڈالو......؟''

سنتوش نے تجویز رکھی۔

''نا بابا...... پڑھائی اب میرے بس کا روگ نہیں......''۔

شالینی نے اپنے کانوں پر ہاتھ دھر لئے۔

''ہمت، مت ہارو، تم نے تو شادی سے پہلے تیاری بھی کی تھی......؟''

''کی تو تھی، لیکن تب کی بات اور ہے......''۔

''کوئی فرق نہیں آگیا ہے......تم نے جو محنت کی تھی، اس کا فائدہ ہونا چاہئے نا......''۔

''اتنے دن ہو گئے کتابوں کو ہاتھ لگائے...... پھر سے پڑھائی شروع کرنا کوئی آسان کام ہے کیا......؟''

''تم نے ٹیوشن بھی پڑھی تھی......؟''

سنتوش کا سوال عام سا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں شالینی کو اس میں ایک غیر معمولی سنجیدگی سی نظر آئی۔ اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا——

''پڑھی تو تھی......''۔

''وہ کوئی ٹیچر تھے نا......؟''

اچانک شالینی کو ایسا محسوس ہوا کہ سنتوش بات کی تہہ تک پہنچنے والا ہے۔ سمیر کی حفاظت کے لئے وہ بھی کمر بستہ ہوگئی۔ اس نے اپنی دلی کیفیت کو چہرے پر نہیں آنے دیا اور سنجیدگی کے ساتھ بولی——

''کمار بھیا کے ایک دوست تھے، پرائیویٹ ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ پتہ نہیں اب کہاں ہیں......''۔

سنتوش کچھ نہ بولا اور ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شالینی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو پڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کے دماغ میں ہر چہار طرف سے تیز سیٹیاں بج رہی تھیں۔ پتہ نہیں وہ کس بات کو کیا معنی پہنا رہا ہے، کن انجان وادیوں میں اپنی سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا ہے، پتہ نہیں اس نے صحیح راستہ پالیا ہے یا منزل کے آس پاس بھٹک رہا ہے یا......۔

''ٹیوشن پڑھانے والے تو مل جائیں گے لیکن دراصل یہ لوگ خالص پیشہ ور ہوتے ہیں، پیسے بھی خرچ ہو جائیں اور فائدہ بھی کچھ نہ ہو......''۔

سنتوش نے اتنے بڑے پہاڑ کو کھودا تو نکالا کیا......؟ شالینی نے اپنے اندر اطمینان کی ایک سانس پھونکی اور آہستہ سے بولی—

''پڑھائی وڑھائی کا چکر اب ختم کرو، ویسے بھی تمہارے لئے یہ گھاٹے ہی کا سودا ہوگا۔ ٹیوشن، کتابیں، فیس وغیرہ وغیرہ...... ہزاروں کا چکر ہے اور فائدہ کچھ نہیں......''۔

''واہ، فائدہ کیسے نہیں...... تمہارا دل بہلتا رہے گا، تم مصروف رہوگی......''۔

''پھر......اس کے بعد......؟''

شالینی نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پھر اس کے بعد تم کوئی کالج جوائن کر لینا...... فاضل وقت تمہارے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے گا......''۔

''تو تم مجھ سے نوکری کراؤ گے......؟''

''تمہاری مصروف کے بہانے ڈھونڈ رہا ہوں ڈارلنگ......''۔

''ہاں صاحب، آپ ٹھہرے بزنس مین، آپ کا Calculation غلط کیسے ہو سکتا ہے......؟''

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ سنتوش کچھ نہ بولا لیکن اس کی خاموشی بتا رہی تھی کہ وہ کسی خاص نکتے پر پہنچ رہا ہے...... کامیابی کے قریب...... اچانک وہ اچھل پڑا۔

''ارے، ٹھہرو، ایک بہت اچھا آئیڈیا آ گیا، ونڈرفل......''۔

''اب کچھ بتاؤ گے بھی یا یونہی ناچتے رہو گے......؟''

وہ اکتا کر بولی۔

''سنو گی تو اُچھل جاؤ گی میری جان...... میری ذہانت کا لوہا مان لو......''۔

''لوہا تو بہت پہلے مان چکی ہوں، اب بھگوان کے لئے بتا بھی دو......''۔

''ہم ایک کالج کھولیں گے...... اپنی گرہ سے کچھ نہیں جانا، جن کی بحالی کریں گے، ان سے عطیہ کے طور پر روپے لیں گے، ان سے شاندار کالج بن جائے گا اور تم رہو گی اس کی

پرنسپل......''۔

''تو یہاں بھی بزنس......تو یوں کہو، ایک دوسرا ایمپائر قائم کرنے کی سوچ رہے ہو......؟''

''سائیڈ بزنس......آخر تم نے اپنی پڑھائی پر اتنی محنت کی ہے، اس کا کچھ فائدہ ہونا چاہئے نا......''۔

''میں سمجھتی تھی سپنوں کی دنیا میں شاعر وادیب ہی رہتے ہیں، پتہ چلا اب تاجروں نے بھی وہاں بسیرا شروع کر دیا ہے......''۔

''ارے، سپنا نہیں، ایک دم حقیقت کی بات ہے۔ آج کل بزنس کے نئے نئے Avenues کھل رہے ہیں، اسکول اور کالج ایک نیا انٹر پرائز ہے۔ اس میں تھوری بہت ناکامی کی جو وجہ ہے وہ یہ کہ اس میں تجربہ کار لوگ نہیں ہوتے، ٹیچر، سیاستداں اور اس قماش کے لوگ پڑتے ہیں، یہ لوگ بزنس کیا جانیں......''۔

''سنتوش، کیا واقعی سنجیدہ ہو......؟''

''سو فیصد......''۔

''تو تمہاری باتوں سے مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ میں جو تھوڑی سی سرسوتی کے چرنوں میں بیٹھی ہوں تو اسے میں اپنے جیون کا سب سے بڑا وردان مانتی ہوں، تمہارے لئے Avenues بہت ہیں۔ بھگوان کے لئے تم سرسوتی کی دیوی پر نگاہ مت ڈالو......''۔

''اچھا چلو، اس پر پھر بعد میں سوچیں گے، ابھی تو یہ سوچنا ہے کہ تم امتحان کی تیاری کس طرح کروگی......؟''

سنتوش نے اس کا دوسرا رخ دیکھا تو پرانے موضوع پر آ گیا۔

''تم نے خواہ مخواہ کی ضد پکڑ لی ہے سنتوش......مجھ سے پڑھائی اب نہیں ہو سکے گی، وقت گزاری کے اور بھی بہت سے کام کر سکتی ہوں نا......؟''

''پڑھائی پر میں اس لئے زور دے رہا ہوں کہ اچھی خاصی تیاری تم کر چکی ہو، اس کا فائدہ اٹھایا جائے، ایک بڑی ڈگری مل جائے گی اور زندگی بھر کام دے گی......''۔

''لیکن میں بغیر مدد کے تیاری نہیں کر سکوں گی اور سمیر جی جیسا ٹیچر اب مل نہیں سکے گا......''۔

''میں سمیر جی کو ڈھونڈ لاؤں تو......؟''

''وہ اب کہاں ملیں گے......''۔

''کوشش تو کی جا سکتی ہے......''۔

سنتوش نے اسی وقت شالینی کے پتا جی کو فون لگایا، اسے تھوڑی دیر انتظار کرنے کو کہا گیا۔

اس نے وقت گزاری کے لئے ایک میگزین اٹھا لیا۔ دس منٹ......

یہ دس منٹ شالینی کی پوری زندگی پر کسی نے سل کی طرح رکھ دیئے۔ اس درمیان وہ زندگی اور موت کے سارے فلسفوں سے گزر گئی۔ ان چند لمحوں میں زندگی اس کے سامنے اپنی ساری خوبصورتی، ساری رعنائی، ساری خوشبوؤں اور ساری دلکشی کے ساتھ آ گئی، ساتھ ساتھ اس کی ساری بدصورتیاں، تلخیاں، ناکامیاں اور دل آزاریاں بھی سامنے آ گئیں۔ اتنی ہی دیر میں وہ سپنوں کی حسین وادیوں کے چپے چپے کی سیر کر آئی، پھر تلخ حقیقتوں کے جام بھر بھر کے اس کے سامنے آ گئے جنہیں پینے کے لئے وہ مجبور تھی۔ انہیں چند لمحوں میں وہ وصل کی راحتوں سے بھی واقف ہوئی اور ہجر کے آنسو خون بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ اتنی ہی دیر میں اسے ہفت اقلیم کی دولت بھی ملی اور پھر فوراً ہی یوں چھین لی گئی کہ وہ کنگال نامراد کھڑی رہ گئی۔

ان دس منٹوں میں اسے سمیر کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا، پھر فوراً ہی اس کا وہ چہرہ بھی جو خون اور آنسوؤں سے لتھڑا ہوا تھا۔ اتنی دیر میں اس نے خوشیوں کے بے شمار ہلکورے لئے اور پھر غم کے تاریک بادلوں میں چھپ گئی۔ ان چند لمحوں میں اس نے محبت،

خلوص، رفاقت اور ایثار کی وہ دنیائیں دیکھ لیں جن کے بعد اسے کچھ دیکھنے کی تمنا باقی نہ رہی۔ اس کی وہ دنیا فوراً ہی اس کے سامنے لوٹ آئی جس میں اقدار کو مصلحتوں کے خوشنما پردوں میں چھپا دیا گیا تھا، تلخ حقیقتوں کو آزادانہ اِدھر اُدھر دوڑے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا رہی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ایک پتنگے کی طرح ہواؤں میں اڑتی رہی، بار بار زمین پر آتی رہی، اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی، سنبھلتی رہی، گرتی رہی، گرگر کے سنبھلتی رہی...... ان دس منٹوں میں وہ سرسری ایک جہان سے گزری...... دس منٹ ختم ہو گئے، جو گزرنا تھا وہ گزر گیا، ایک طوفان تھا جو چلا گیا، وہ لٹی پٹی سی بیٹھی رہی...... پرسکون......۔

سنتوش اس کے پتا جی سے بات کر رہا تھا۔

''جی...... اچھا...... بہت اچھا...... جی ہاں اگر کل ہی ہو جائے تو...... جی اور کیا...... بس کوشش کی جائے......''۔

سنتوش نے فون رکھ دیا۔

''پتا جی کہہ رہے ہیں سمیر جی کا کوئی پتہ نہیں، وہ بہت دنوں سے ڈھونڈ رہے ہیں، انہوں نے ایک دوسرے ٹیچر سے بات کرنے کا وعدہ کیا ہے......''۔

سنتوش اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ اس کا رواں رواں پکار پکار کے کہنے کی کوشش کرتا رہا—

''سنتوش...... تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، سمیر کا نام بار بار میرے سامنے نہ لو...... میں پہلے ہی بہت ٹوٹ چکی ہوں، اب میرا ختم ہی ہونا باقی رہ گیا ہے۔ سمیر کے باب کو میرے سامنے اب نہ چھیڑا جائے تو مجھ پر یہ سب سے بڑی مہربانی ہوگی، بہت مشکلوں سے تو میں یہ کہنے کے لائق بھی ہوئی ہوں کہ سمیر کا باب......''۔

لیکن اس نے سنتوش سے تو کچھ نہیں کہا۔

کیوں نہیں کہا......؟

وہ دوڑ کر، اس کا راستہ روک کر، غسل خانے پر دستک دے کر، سنتوش کو دوسرے کاموں سے چھڑا کر...... ہر حال میں اپنی بات کہہ سکتی تھی۔

لیکن اس نے نہیں کہا......

وہ چپ رہی......

اس کے دل میں اپنی پوری بات ایک ساتھ ابھری ضرور لیکن......

سمیر سے وہ آخری بار کب ملی تھی......؟

اسے یقین تھا کہ سمیر اس کی شادی میں ضرور آئے گا اور آخری ملاقات کا ایک تاریخی موقع فراہم کرے گا، لیکن سمیر نہیں آیا۔

اس کی نگاہیں، اس کے جذبات، اس کے احساسات اُسے ڈھونڈتے رہے، وہ کہیں نہیں ملا، اس کے کان اسے تلاش کرتے رہے، لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اگر وہ کہیں تھا تو بہت دور سے اس نے اسے رخصت کیا، ہوسکتا ہے اس نے کبھی رخصت کیا ہی نہ ہو اور اب تک اپنے دل میں اسے لئے بیٹھا ہو...... وہ سمیر ہے، اس سے کچھ بھی ناممکن نہیں......۔

اس کے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش بڑی شدت کے ساتھ سر اٹھاتی کہ وہ ایک بار......صرف ایک بار سمیر کو دیکھے، وہ اسے بار بار نہیں دیکھے گی، اس سے کبھی باتیں نہیں کرے گی، اس کے پاس کبھی نہیں جائے گی......ایک بار......بس ایک بار اسے دیکھنے کے سوا اور کچھ منظور نہیں۔

ایک موقع......بہت آہستگی سے، بہت دھیرے سے......بہت چپکے سے، اس کے روشن دان کے اوپری حصے سے جھانک رہا ہے۔

کیا وہ اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لے......؟

یہ موقع گنوا دے......؟

پھر کبھی ایسا موقع اسے مل سکتا ہے کیا......؟

وہ کسی طرح مل بھی جائے تو وہ اب اس سے پڑھے گی نہیں، وہ اب ان زخموں کو کریدنا نہیں چاہتی جن پر زمانے اور حالات کے مرہم اپنی دبیز تہہ جما چکے ہیں، سنتوش کی خواہش کو پورا کرنے کی سوچے گی ضرور لیکن سمیر کی مدد کے بغیر...... سنتوش کی ضد کے بہانے وہ سمیر کو دیکھ تو لے گی۔ وہ اس کی ایک جیتی جاگتی تصویر اپنے من میں قید کر لینا چاہتی ہے تا کہ جب بھی اس کا جی گھبرائے، تنہائی کا جہنم اسے دھواں دھواں جلانے لگے، ہر چہار طرف سے وہ اپنی ہار مان لے تو نظریں جھکا کر...... اپنے دل میں جھانک لے۔

وہ اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کے حفاظت کی گارنٹی چاہتی تھی۔

اس سے اچھا بَرا سے مل سکتا تھا......؟

کبھی نہیں......۔

وہ سنتوش سے بے وفائی نہیں کرے گی۔ وہ اس کی ہے اور اسی کی رہے گی۔ لیکن سمیر کی تصویر وہ اپنے دل میں ضرور بسائے گی، اس کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتی اور جب زندہ ہی نہیں رہے گی تو پھر وہ سنتوش کے بھی کیسے کام آئے گی......؟

شالینی کے پتا جی نے پتہ نہیں کس مصلحت سے گھر میں فون نہیں کیا، دفتر میں سنتوش سے باتیں کیں۔ جو بات انہوں نے کہی وہ شالینی سے بھی کہہ سکتے تھے۔ سمیر ہی کی تو بات تھی اور شالینی پر سمیر کے احسانات تھے۔ سنتوش گھر آیا تو اس نے تفصیل بتائی۔

''بھئی شالینی، ہمیں کسی اور ٹیچر کو تلاش کرنا پڑے گا، سمیر جی کا کوئی پتہ نہیں۔ پتا جی نے انہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن......''۔

شالینی کے دل کو فوراً کسی نے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ اس کے دل کی دھڑکن بند بھی ہو سکتی تھی لیکن سمیر کے نام پر اس کی حرکت جاری رہی۔

''کیا ہوا سمیر جی کو......؟''

دریافت کرتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ وہ مٹھی خود اسی کی ہے جس میں اس کا دل جکڑا ہوا ہے۔

''پتا جی نے ایک عجیب بات بتائی، یقین نہیں آتا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسا بھی کر سکتا ہے......''۔

''........................''

شالینی اپنے دل کی دھڑکنیں اپنی انگلیوں پر گن سکتی تھی۔

''سمیر جی نے سادھوؤں کا روپ دھارن کر لیا ہے، گیروا کپڑے، لمبی داڑھی اور جٹائیں، گلے میں درجنوں منکائیں......شاید انہوں نے اپنا نام کسی لڑکی کے نام پر رکھ لیا ہے اور......''۔

''لڑکی کے نام پر......؟ لڑکی کا نام بھی بتایا انہوں نے......؟''

شالینی نے جو یہ پوچھا تو اس میں اس کی اپنی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا، وہ ایک خاص قسم کی کیفیت تھی جو بہت نارمل انداز میں اسے اکسا رہی تھی۔

''نہیں...... پتا جی کو نہیں پتہ، لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمالیہ کی ترائی میں رہتے ہیں، ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ تم جب ان سے پڑھتی تھیں تو اس وقت تو وہ نارمل تھے نا......؟''

''بالکل نارمل تھے......وہ ایک Self Made آدمی تھے، ان کے سامنے بڑے مقاصد تھے، انہیں زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا......''۔

شالینی نے شاید پہلی بار سنتوش کے سامنے سمیر کے بارے میں زبان کھولی۔

''بھائی، جب دماغ اپنے قابو میں نہ ہو تو آدمی کیا کرے۔ بہت سی مثالیں ہیں، دیوانہ مردے سے بدتر ہوتا ہے......''۔

شالینی کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے......وہ اسے کیا بتائے کہ سمیر کا پرابلم دماغ کا نہیں، دل کا ہے۔ دیوانہ کبھی پہاڑوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے......؟ وہ تو فرزانوں کی مخصوص جگہ ہے، لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ سمیر نے اسے جو ایک خاموش پیغام دیا تھا وہ بخوبی اس تک پہنچ گیا تھا۔

''خیر، ہٹاؤ...... سمیر جی مل جاتے تو اچھا تھا، کسی دوسرے ٹیچر کا انتظام ہو جائے گا۔ پتا جی نے بھی کہا ہے، تم اپنی تیاری شروع کر دو......''۔

شالینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پڑھائی میں واقعی اس کی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی، اس نے جو بھی پڑھا تھا وہ محض سمیر کی دین تھی۔ سمیر کے ساتھ اس کی جو بھی یادیں وابستہ تھیں ان سب کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس کی پڑھائی سے تھا۔ سمیر نے اسے جو کچھ پڑھایا تھا، اسے وہ بھولی نہیں تھی۔ یہ گویا سمیر کا تحفہ تھا جس کی اب اسے ہر قیمت پر حفاظت کرنی تھی۔ اس کے پاس سمیر کی یادوں کا ایک خزانہ تھا جس پر دور دور کسی کی پرچھائیں نہیں تھی۔ سنتوش اس کا حال تھا، ماضی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور ماضی یادوں کے خزانے کی کنجی تھی۔ سنتوش کے بہت اصرار پر اگر وہ اپنی پڑھائی جاری رکھنے کے لئے تیار بھی ہوئی تھی تو محض اس لئے کہ اسے سمیر کو دہرانے کا پھر موقع مل جائے گا اور وہ تھوڑی دیر کے لئے سہی، اس دنیا میں واپس جا سکے گی جسے وہ بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اس دنیا میں وہ یا تو سمیر کے ساتھ جا سکتی تھی یا پھر تنہا...... اس میں وہ کسی دوسرے کے ساتھ کیسے جا سکتی تھی......؟

—●—

''تمہیں کسی ٹیچر کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، میں نے اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے......''۔

اس نے ایک دن سنتوش سے کہا۔

''تنہا کیسے تیاری کر سکو گی، کچھ مدد کی ضرورت تو ہو گی......؟''

''کوئی ضرورت نہیں...... میں نے اپنی کتابیں اور نوٹس نکال لئے ہیں، میں کر لوں گی۔ تم صرف یہ کرو کہ جو کتابیں میں کہوں، وہ لا دو......''۔

''تمہاری مرضی......''۔

شالینی نے واقعی اپنے آپ کو کتابوں، کاپیوں اور نوٹس کی دنیا میں گم کرلیا، اس کا شوق اور انہماک دیکھ کر سنتوش کو بھی حیرت ہوئی۔

''تم تو یار بہت پڑھا کو نکلیں، تم تو مجھے بھی پڑھا سکتی ہو......''۔

شالینی مسکرا کر رہ گئی۔ وہ سنتوش کو کیا بتاتی کہ یہ اس کی پڑھائی نہیں، سادھنا ہے، اس کا امتحان نہیں، عبادت ہے، ایسی عبادت جس میں اسے اب آخری سجدہ کرنا ہے، پھر اس کا موقع اسے کبھی نہیں ملے گا۔ اسے جو کچھ بھی حاصل کرنا ہے، اسی آخری سجدہ کے ذریعہ......۔

شالینی دن رات پڑھائی میں غرق رہنے لگی۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ اس نے سب کچھ بھلا دیا، اپنے آپ کو، اپنے آس پاس کی ساری دنیا کو۔ اس نے بس ایک ہی دنیا آباد کی تھی...... اپنے اندر کی دنیا...... جیسے جیسے وہ اپنی اس دنیا میں ڈوب رہی تھی، ویسے ویسے یہ دنیا روشن ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جیسے ایک مشعل لے کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اپنی اس بے خودی میں اسے ایک خاص لطف آ رہا تھا۔ ایسا لطف جس سے صرف وہی واقف تھی۔

دراصل وہ اپنے آپ کو دہرانے کے عمل میں مصروف تھی...... اپنی زندگی کی ایک اہم ترین عبادت میں...... یہ موقع بھی اسے محض اتفاق ہی سے ہاتھ آ گیا تھا۔

اس نے امتحان دیا، نتیجہ آیا...... اس نے نہ صرف یونیورسٹی میں ٹاپ کیا بلکہ پچھلے سارے ریکارڈ بھی توڑے۔ ایک بیاہتا عورت کا یہ نتیجہ جس نے یونیورسٹی میں کلاس نہیں کیئے، پرائیویٹ تیاری کی، جس کی کسی نے مدد بھی نہیں کی، واقعی حیرت انگیز تھا۔ لیکن شالینی کے لئے...... اس کے لئے اپنا نتیجہ کوئی بہت حیرت انگیز نہیں تھا، اس نے تو جی بھر کے اپنی اس دنیا کی سیر کی تھی جو اس سے چھن گئی تھی۔ اس نے اپنی گم شدہ جنت پالی تھی۔

ایک عرصہ تک اس پر اطمینان اور سرشاری کی ایک کیفیت سی طاری رہی۔ سنتوش بھی بہت خوش تھا۔ اس نے شالینی کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا، شالینی نے اس سے کہیں بڑھ کے دکھا دیا تھا۔ حالانکہ شالینی کے لئے وقت گزاری کا مسئلہ ابھی تک برقرار

تھا۔ وقتی جوش وخروش اور خوشی نے کچھ تلافی کی تھی، اس عرصہ میں سمیر کی پرچھائیاں اس سے دور ہی رہیں۔

سنتوش کو ایک بزنس ٹور کے سلسلے میں فوری طور پر باہر جانا پڑا۔ وہ شالینی کو بھی لے جانا چاہتا تھا لیکن سب کچھ اتنی عجلت میں ہوا کہ وہ اپنی خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ شالینی سے دوری اسے بہت شاق گزری۔ شالینی اسے فوراً نہ سنبھالتی تو شاید وہ بالکل ٹوٹ ہی جاتا۔

''سنتوش...... مرد ہو کر اتنے کمزور...... میں تو خود ہی کمزور ہوں، تمہیں دیکھ کر تو......''۔

سنتوش کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے، اپنی آنکھوں کی نمی کو وہ رومال سے صاف کرنے لگا۔

''تم میرے بارے میں کچھ نہ سوچو، میں بالکل ٹھیک رہوں گی، بس تم جلدی آجانا......''۔

شالینی کے لہجے میں اس قدر اعتماد اور مضبوطی تھی کہ خود اسے اپنے آپ پر تعجب ہوا۔ حالانکہ اس کی خود اعتمادی بلاوجہ نہیں تھی۔ اس نے پچھلے دنوں اپنی اندرونی دنیا کو کھنگال کے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا تھا۔

سنتوش کے جانے کے بعد اس نے عملی طور پر بھی مضبوطی کا مظاہرہ کرنے کی ٹھانی، بہت دنوں تک اپنے آپ کو سنبھالے رہی۔ اس نے اپنے چاروں طرف ایک ایسی قلعہ بندی کر لی تھی جسے توڑنا اب آسان نہیں تھا۔ لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ کمزور لمحہ جو اس نے کبھی اپنی زندگی میں بڑی لاپروائی سے داخل کر لیا تھا، ہمیشہ اس کے پیچھے لگا رہتا ہے کہ کب اسے موقع ملے، وہ غافل ہو اور وہ اس پر چھا جائے، کب اس پر قابو پالے۔

شاید وہی لمحہ.........

سمیر ایک دم سے چلا آیا۔

وہ چونک اٹھی۔ اس کا جی چاہا کہ بے ساختہ کہیں بھاگ نکلے، شاید وہ اپنے ارادے پر عمل بھی کر لیتی کہ سمیر نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ سنتوش اس سے دور تھا، اس وقت سچے دل سے اسے سنتوش کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ جب گھبرا ہی گئی تو اس نے

بھی فیصلہ کرلیا کہ آج سمیر سے دو دو باتیں ہو ہی جائیں۔

''تم بزدل ہو......''۔

اس نے چیخ کر کہا۔

سمیر چپ چاپ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''تم فراری مجرم ہو......''۔

کوئی جواب نہیں۔

''تم میں حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں......تم......تم جو بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھے......تمہارے جذبات......تمہارے وہ جذبات کیا ہوئے......؟''

خاموشی............

''تم نے مجھے آگ میں جھونک کر مجھے محض اس لئے نہیں نکالا کہ تمہارے پاس اس کی فرصت نہیں تھی، لیکن اب میرے پاس فرصت نہیں......تمہارے لئے بھی نہیں......''۔

سمیر کی گہری خاموشی میں اگر جواب پوشیدہ تھے تو وہ اس تک نہیں پہنچ رہے تھے۔

''اُونہہ......پہاڑوں میں......تم پہاڑوں میں پناہ تلاش کرنے چلے گئے......سراسر بزدلی......''۔

خاموشی......خاموشی......

''تم جانتے ہو، سب سے آسان راہ فرار کون سی ہے......؟''

''موت......!''

''ہاں......ہاں......میں بزدل ہوں......کائر......فریبی......فراری......اس لئے کہ میں نے تمہیں بچالیا۔ میں موت کو اپنا لیتا تو تم بچ نہیں سکتی تھیں، میں دنیا کا سامنا کرنے کے لئے رہ جاتا تو بدنامی میرے حصے میں نہیں، تمہارے حصے میں بھی آتی......ہاں، بے شک میں نے بھول کی، میں نے سمجھا تھا کہ میں تم سے دور رہ کر تلخ حقیقتوں اور سنگینیوں کا سامنا کرسکوں گا، لیکن نہیں......میں نے تو اپنی ساری طاقت اور ہمت ہی کھودی۔ تم نہ رہیں

تو میری پشت کی وہ دیوار ہی ٹوٹ گئی جس کے سہارے میں ٹکا ہوا تھا، تمہارے بعد میں بالکل تنہا رہ گیا، کم ہمت ہو گیا، بے سہارا ہو گیا......"۔

سمیر کی آواز سیسے کی طرح اس کے کانوں میں پگھل رہی تھی اور اس کا دل اس کی ایک ایک دلیل کو قبول کرتا جا رہا تھا۔ ان دلیلوں کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔

"سمیر، میں کیا کروں، کہاں جاؤں...... سنتوش مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں، میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بہت خیال رکھتے ہیں، وہ میرے جسم کے مالک ہیں، لیکن میری روح...... مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ایک ایسا جزیرہ ہوں جس پر دو راجاؤں کی حکومت ہے، دونوں ہمہ وقت لڑتے رہتے ہیں، نہ کوئی جیتتا ہے نہ کوئی ہارتا ہے...... سمیر، محبت کی بیش بہا دولت نے تو مجھے کنگال بنا دیا۔ میں تو اس دولت کو پا کر کہیں کی نہ رہی۔ ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتی ہوں، لگتا ہے کہ جلد ہی منزل کو پالوں گی کہ فوراً ہی کوئی چیز اندر سے پیچھے کی طرف کھینچنے لگتی ہے اور اس مقام پر لے جا کے کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے چلی تھی...... آخر کب تک ایسا ہوتا رہے گا، کب تک انجان ہاتھوں کے ذریعہ میں پیچھے ڈھکیلی جاتی رہوں گی......؟"

"اپنے بارے میں جانو شالینی...... اپنا سراغ پالو، تمہارے سارے پرابلم دور ہو جائیں گے، تم جس درد کو اپنے اندر چھپائے بیٹھی ہو، وہ رہ رہ کر ایک انجانا خوف پیدا کر رہا ہے، یہ خوف تمہیں جینے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے، تم ذرا اس خوف کو اپنے اندر سے نکال کر تو دیکھو، زندگی تمہیں کیا عطا کرتی ہے......"۔

"لیکن میرے اندر تو تم ہو...... تمہیں باہر نکالوں تو پھر تمہیں کہاں چھپاؤں، نہ چھپاؤں تو دنیا کو کیا بتاؤں......؟"

"تمہارے اندر میں نہیں، میرا پیار بیٹھا ہے، تمہیں اس سے شرمندہ یا خوف زدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہ تو وہ دولت ہے جو کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔ تم یہ سوچنا چھوڑ دو کہ تم کوئی گناہ کر رہی ہو...... یہ احساس گناہ ہی تمہیں بوند بوند کر کے مار رہا ہے۔ تم اپنے اس احساس پر قابو پا لو، تمہارے اندر اعتماد کی ایک دنیا آباد ہو جائے گی......"۔

''اگر اس کے بعد کسی نے تمہارا نام پوچھ لیا تو......؟''

سمیر بڑے زور سے ہنسا۔

''بے گناہ آدمی کے ساتھ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ سب کو بے گناہ سمجھتا ہے......کوئی آدمی بھی اتنا دلیر نہیں کہ وہ تم سے میرا نام پوچھ لے۔ جانتی ہو کیوں......؟''

''کیوں......؟''

''اس لئے کہ میرے نام کے ساتھ ہر اس آدمی کا نام وابستہ ہے جو لوگوں کے دل میں گناہ بن کر چھپا رہتا ہے......''۔

''سمیر، میرے کاندھوں پر دہری صلیب کا بوجھ ہے......''۔

''تمہارے کاندھوں پر دو نہیں، صرف ایک ہی صلیب ہے، تمہیں اس کے وزن کا صحیح انداز نہیں اس لئے تم اسے دو صلیبوں کا بوجھ سمجھ رہی ہو......شالینی، محبت کے ساتھ وصال کی ہرگز شرط نہیں۔ وصل تو محبت کی موت ہے۔ یہ تو ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو ہمیشہ متحرک اور زندہ رکھتا ہے، انسان مر جائے لیکن جذبہ زندہ رہتا ہے......''۔

''تو پھر......میں تمہیں اپنے اندر سے نکال کر باہر کھڑا کر دوں......؟''

''تمہیں کوئی اس کے لئے مجبور تو نہیں کر رہا......تم ایسا کر ہی نہیں سکتیں کیوں کہ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، تمہیں ایک دولت حاصل ہوئی ہے، اسے اس طرح برباد کرنے کی مت سوچو......''۔

''اور سنتوش......؟''

''سنتوش تمہارے جسم، دل اور زندگی کے ہر گوشے کا مالک ہے، تمہیں اس کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہئے......''۔

''وہ میری محبت کا حقدار بھی تو ہے......؟''

''بے شک......اور اس میں تمہیں کوئی بخالت بھی نہیں کرنی چاہئے......''۔

''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی......؟''

''تم اپنی ماں سے محبت کرتی ہونا......؟''

''بے شک کرتی ہوں......''۔

''اور پتا جی سے......؟''

''ان پر تو میں اپنی جان چھڑکتی ہوں......''۔

''اور بھگوان سے......''۔

''بہت، بہت......''۔

''مجھ سے......؟''

''تم سے تو......''۔

''پھر تم سنتوش سے کیوں نہیں کر سکتیں......؟''

''اور سب محبتوں کے تو الگ الگ خانے ہوتے ہیں، لیکن جس خانے کی تم بات کر رہے ہو وہاں سنتوش رہے یا......''۔

''اس خانے میں تو صرف سنتوش ہی فٹ ہوتا ہے......''۔

''پھر تم......؟''

''میں وہ جذبہ، وہ طاقت ہوں جو کسی خانے میں فٹ نہیں ہوتا۔ یا تو سبھی خانوں میں رہتا ہے یا پھر کہیں نہیں رہتا۔ میں 'وہ' ہوں جسے تم کسی حد میں قید نہیں کر سکتیں......''۔

''تم پہاڑوں میں کیوں چلے گئے......؟''

''اس لئے کہ میں وہاں رہ کر تمہارے زیادہ قریب رہ سکوں گا۔ تم نے اپنی منزل پا لی، میں قرار نہیں پا سکا...... میں سراپا 'تم' ہو گیا۔ سانسوں کی جس ڈور نے مجھے باندھ رکھا ہے اس کے تار تار میں تمہارا نام سمویا ہوا ہے، میرے اندر سے جب بھی کوئی آواز نکلتی ہے، اس میں تمہارے نام کی صدا ہوتی ہے، میرے اندرونی اور باہری جسم کے چپہ چپہ پر تمہارا نام لکھا ہے۔ ایسی صورت میں میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا کہ میں دنیا کی نگاہوں سے بہت دور چلا جاؤں۔ یہی ایک راستہ میری اور تمہاری نجات کا رہ گیا ہے،

باقی سبھی راستے بند...... اب میں پورے طور پر اس خطرے سے باہر ہوں کہ کوئی تمہیں یا مجھے پہچان لے گا......"۔

شالینی کا سر خود بخود جھک گیا۔

"ہر انسان کی زندگی کا ایک گراف ہوتا ہے جس کا ایک کونہ ہمیشہ خالی رہ جاتا ہے، چاروں کونے، کسی کے، کبھی نہیں بھرتے، تین کرنوں ہی کا نام زندگی ہے اور ہر کسی کو اس پر مطمئن رہنا پڑتا ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہارے تین کونے بھرے ہوئے ہیں، چوتھے کونے پر رنگین لکیریں کھنچی ہوئی ہیں، چاہو تو اسے بھی خالی نہیں دیکھو......"۔

شالینی کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے گھر کی دہلیز پر بہت دیر سے کھڑی یہ آوازیں سن رہی ہے۔

باہر سنسان سڑک پر خاموش دھوپ دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وقت ایسا تھا کہ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ سمیر تو یہاں کبھی آیا ہی نہیں تھا، آتا تو اپنی خوشبو ضرور چھوڑ جاتا، حالانکہ وہ خوشبو وغیرہ نہیں لگاتا تھا لیکن وہ دور ہی سے محض خوشبو کے سبب اسے پہچان لیتی۔

اس نے چاروں طرف منہ اٹھا اٹھا کر ہواؤں میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی، لیکن بے سود...... یہ کام بھی اس نے محض اپنی تشفی ہی کے لئے کیا اور سمیر کی خوشبو تو چاروں طرف سے اسے پکارتی تھی۔

یقیناً سمیر نہیں آیا تھا۔

اس کی خوشبو ضرور پھیلی ہوئی تھی۔ سمیر کہتا تھا کہ اس کے اندر سے بھی ایک ایسی خوشبو نکلتی ہے جس سے وہ دور ہی سے اسے پہچان لیتا ہے۔

یعنی اس کی خوشبو سمیر تک پہنچتی تھی اور سمیر کی خوشبو...... دونوں خوشبوئیں ایک دوسرے میں گم ہو گئی تھیں۔

تو ابھی تک کی ساری گفتگو اس کی اس سمیر سے ہو رہی تھی جو اس کے اندر تھا......

شاید یہی سمیر کبھی کبھی نکل کے باہر آ جاتا، یہی سمیر اسے کشاں کشاں زندگی کی طرف کھینچ لے جاتا، یہی سمیر کبھی اتنا کٹھور بن جاتا، اتنا کٹھور کہ......

سمیر......

سنتوش غیر ملکی دورے سے واپس آیا تو اپنے ہی بیڈ روم میں اپنے آپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

چاروں طرف دیواروں پر اس کی مختلف تصویریں......

بے شمار تصویریں......

وہ ایک طرف کھڑا ہوتا تو تصویریں بقیہ سبھی رخوں سے اسے گھیر لیتیں، سامنے ہوتا تو پیچھے......دائیں ہوتا تو بائیں، بائیں ہوتا تو دائیں......۔

''تصویروں کا اتنا آرٹسٹک اور فراخ دلانہ استعمال میں نے آج ہی دیکھا......''۔

اس نے مسکرا کر شالینی کی طرف دیکھا۔

شالینی نے ایک شوخ نگاہ اس پر ڈالی۔

ان نگاہوں میں صرف شوخی نہیں تھی......

محبت تھی، خود سپردگی، ممنونیت، عقیدت اور نہ جانے کیا کیا......

ایک مقناطیس کشش کے زیر اثر آگے بڑھ کر وہ سنتوش کے سینے سے لگ گئی۔

سنتوش نے مضبوطی کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

شالینی کی آنکھیں فرط جذبات سے بند ہو گئیں۔

بند آنکھیں سنتوش ہی کو دیکھ رہی تھیں......سنتوش کے علاوہ کسی کو نہیں......

صرف سنتوش کو......!

Dhund Mien Khoi Roushni

Novel

AFSANA KHATOON

افسانہ خاتون کوسی ضلع نوادہ کے ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئیں۔آپ کے والد ڈاکٹر محمد اقبال ملک (مرحوم) ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، وہ گیا اور رانچی کے میڈیکل کالجوں میں سرجری کے پروفیسر رہے۔

افسانہ خاتون نے مگدھ یونیورسیٹی (بودھ گیا) سے امتیازات کے ساتھ بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔آپ نے ''سہیل عظیم آبادی -حیات و خدمات'' پر پی ایچ ڈی کیا اور فی الوقت پٹنہ کے ممتاز علمی ادارے جے۔ڈی ویمنس کالج میں سینئر لکچرر ہیں۔

افسانہ خاتون نے درجنوں مضامین اور افسانے لکھے جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔''دھند میں کھوئی روشنی'' آپ کا پہلا ناول ہے جو اپنے موضوع اور ٹریٹمنٹ کے سبب یقیناً اہل ذوق کے درمیان گفتگو کا موضوع بنے گا۔

آپ ممتاز فکشن نگار عبد الصمد کی رفیقِ حیات ہیں۔

ناشر

صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ-۴